ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

وہ خواب تھا بکھر گیا، خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا، یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر اک دن اداس دن، تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے، جیسے کچھ بچا نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حیات علی اپنے والد کو دوسری شادی سے آگاہ کرتے زیب النساء کو بہو تسلیم کرنے کا کہتے ہیں جس پر چوہدری سراج علی اشتعال کا شکار ہوکر حیات علی کو جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ولید انا کے سیل فون پر آنے والی تمام کال کی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ماموں اور سہیل ابوبکر سے بات کرنے کے بعد ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیتے انہیں ہادیہ کی پسند سے بھی آگاہ کردیتے ہیں۔ رابعہ ہادیہ کو ابوبکر کا نمبر دے کر اس سے بات کرنے کو کہتی ہے۔ شہوار ماں جی کے اصرار پر دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آجاتی ہے۔ ایاز جو کافی دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا۔ اب شہوار کو شاپنگ مال میں دیکھ کر اس کے اندر کی شیطانیت ایک بار پھر جوش مارتی ہے اور اسے دریہ اور شہوار کے رویے سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ شہوار مجبوراً اس کے ساتھ آئی ہے۔ صبوحی بیگم بوتیک سے جلدی فارغ ہونے کے بعد احسن کو فون کرتی ہیں تاکہ وہ انہیں پک کرتا ہوا گھر ڈراپ کردے مگر آفس میں ضروری کام کے باعث احسن معذرت کرلیتا ہے اور ولید کو کال کرکے صبوحی بیگم کو گھر لے جانے کے لیے کہتا ہے۔ ولید ذہنی الجھن کا شکار تھا۔ شہوار کو شاپنگ مال میں اپنا کلاس فیلو ہاشم مل جاتا ہے۔ ایاز کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور وہ اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے دریہ کو اپنے اعتماد میں لے کر دریہ کو اپنا کارڈ دیتا ہے۔ دریہ شہوار کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے ایاز کے منصوبہ پر عمل کرتی ہے وہ اس بات پر خوش ہوتی ہے کہ شہوار کو جلد راستے سے ہٹا کر وہ مصطفیٰ کو حاصل کرلے گی۔ چوہدری حیات علی باپ کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر اپنی حویلی چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے زیبن کے پاس آجاتے ہیں۔ دوسری طرف ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے صبوحی بیگم بھی ہمراہ تھیں مگر انہیں زیادہ چوٹیں نہیں آتیں جب کہ ولید زندگی اور موت کی درمیان جنگ لڑ رہا ہوتا ہے اور انا پتھرائی نظروں سے یہ سب کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کو موبائل پر ایک تصویر موصول ہوتی ہے جس کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے وہ شہوار سے ناراض ہوکر گھر سے نکل جاتا ہے اور دریہ یہ منظر دیکھ کر شہوار کا تمسخر اڑاتی ہے اور شہوار پریشان ہوکر بار بار مصطفیٰ کو کال کرتی رہتی ہے۔ چوہدری سراج علی اپنے اکلوتے بیٹے چوہدری حیات علی کو حویلی لے جانے کے لیے آتے ہیں۔ حیات علی کا چھوٹا بیٹا باپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے بیمار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے حیات علی حویلی جانے پر راضی ہوجاتے ہیں۔ چوہدری سراج علی اپنی بچھائی ہوئی بساط کے حساب سے حیات علی کو استعمال کرتے ہیں اور انہیں زیب النساء کو قبول کرنے کی خوش خبری کے ساتھ کینیڈا جانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کینیڈا جانے سے پہلے حیات علی بخشو کو ایک خطیر رقم زیب النساء کو پہنچانے کی ہدایت دیتے ہیں حیات علی نے سوچا کہ ایک ماہ جسے تیسے گزار لوں گا لیکن اب قسمت ان کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنے والی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

مہرالنساء کے گھر پر مامور چوکیدار سے زیب النساء کو حیات علی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً واپس آئی تھی لیکن حیات علی جاچکے تھے۔ وہ واپس بہن کے ہاں جانے کی بجائے وہیں رک گئی تھی۔

دو دن گزرے تو بخش دین چلا آیا تھا' پیسوں کا ایک لفافہ دے کر اس نے جو پیغام دیا اسے سن کر تو زیب النساء کے حواس گم ہونے لگے تھے۔

''چوہدری صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت بیرون ملک چلے گئے ہیں' یہ رقم آپ تک پہنچانے کا کہا تھا۔''

''کب گئے؟'' گم حواسوں کو بمشکل یکجا کرتے اس نے پوچھا۔

''ایک دن پہلے' انہوں نے پیغام بھی دیا تھا کہ وہ جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ایک عدد چوکیدار رکھنے کا کہہ کر گئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اپنے باپ سے ہوشیار رہیے گا۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو اپنی بہن کے ہاں چلی جایئے گا۔'' زیب النساء کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سن کر اس کے قدموں تلے سے جان نکلتی جارہی ہے۔

''وہ واپس کب آئیں گے؟''

''ایک ماہ کا قیام ہے وہاں' اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔'' زیب النساء جیسے بالکل ڈھے گئی تھی۔ نجانے کیوں دل کو عجیب وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی' ملازمہ موجود تھی۔ شام تک بخش دین وہاں رہا تھا' اس نے باہر کے کاموں کے لیے ایک نوعمر لڑکے کا انتظام کردیا تھا۔ بخش دین چلا گیا تو زیب النساء کا پریشانی سے بُرا حال ہونے لگا۔ ملازمہ نے بتایا تھا اس کی غیر موجودگی میں صفدر کئی بار اس کے گھر آیا تھا اور بُرا بھلا کہتے دھمکیاں دیتے چلا گیا تھا۔ اگلی صبح سویرے صفدر پھر آچکا تھا۔

''سامان سمیٹ اور چل میرے ساتھ' دھوکے سے نکاح کرلیا اس چوہدری سے تو میں نمٹ لوں گا۔'' وہ پھر شور مچا رہا تھا۔

''ابا! اماں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا کوئی دھوکہ نہیں دیا' آپ اس قابل ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ نے تو مجھے اپنے جوئے کی خاطر بیچ ڈالا تھا' اب کیا لینے آئے ہیں۔''

''زیادہ زبان نہ چلا' اگر وہ چوہدری کسی قابل ہوتا تو واپس پلٹتا' ساری خبر ہے مجھے مہینوں وہ تیری خبر نہیں لیتا۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''وہ ایک بڑے خاندانی زمیندار ہیں' ہزار کام ہوتے ہیں ان کے' ہر وقت ادھر نہیں رہ سکتے۔'' زیبن نے چوہدری حیات علی کا دفاع کیا۔

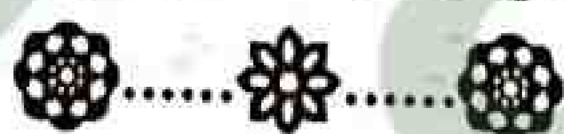
''تو تجھے اپنے ساتھ رکھ تو سکتا ہے نا؟'' صفدر نے جرح کی' زیب النساء کے دل پر گویا آری سی چلی تھی اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹنے کو تھی۔

''یہ گھر کس کے نام ہے؟'' گھر کو تاڑتے صفدر نے پوچھا تو وہ رک گئی۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ چڑ گئی' وہ باپ کی لالچی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

آج کل اس کی جو حالت تھی اس کے سبب وہ ویسے ہی بہت چڑچڑی ہورہی تھی لیکن بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ باپ کو جھیل رہی تھی۔

''تو پھر تجھے پتا کیا ہے؟ کچھ خرچہ ورچہ بھی دیتا دلاتا ہے یا پھر خالی خولی نکاح کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔'' زیبن نے بڑے ضبط سے دیکھا اور پھر بغیر کوئی جواب دیئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفدر بڑی سوچتی نگاہوں سے گھر کو دیکھتے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔



شہوار اسپتال ماں جی کے ساتھ آئی تھی' مصطفیٰ ڈاکٹرز کے پاس تھا۔ صبوحی بیگم کو ہوش آچکا تھا جبکہ ولید ابھی بھی انڈر آبزرویشن تھا۔ انا شہوار کے گلے لگ کر شدت سے رو رہی تھی۔

''اگر ولی کو کچھ ہوگیا تو میں بھی مر جاؤں گی۔'' اس کے الفاظ پر شہوار ساکت ہوئی' اتنی شدت' اتنی جذباتیت۔ سبھی ویٹنگ روم میں تھے جبکہ وہ انا کے ساتھ صبوحی بیگم کے کمرے میں تھیں۔

''ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' بس تم دعا کرو۔'' شہوار تسلی دے رہی تھی' جبکہ اس کا دل خود بھی بہت غم زدہ تھا۔ کچھ دیر بعد روشی اور احسن آگئے تھے' ساتھ ضیاء صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹرز کی طرف سے ولید کے لیے ابھی بھی وہی جواب تھا'

مصطفیٰ بہت پریشان تھا۔ مصطفیٰ وقار صاحب کے ہمراہ صبوحی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مہر النساء اور شہوار کو موجود پاکر رک گیا تھا' انا کا کندھا تھپتھپاتے شہوار نے بھی مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

''آپ دونوں کس کے ساتھ آئیں؟'' قریب آکر اس نے ماں جی سے پوچھا۔

''شہوار آنا چاہ رہی تھی تو ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔''

''آپ ساری رات کی تھکی ہوئی تھیں آرام کرلیتیں کسی اور کو ہمراہ لے کر شہوار آجاتی۔'' مصطفیٰ نے کہا' شہوار انا سے جدا ہوکر قریب آئی۔

''میں رات سے کالز کررہی ہوں آپ پک ہی نہیں کررہے۔'' انداز میں خفگی تھی۔

''ادھر اتنی ٹینشن تھی' بزی تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھتے کہا۔

''لیکن میسج کا ریپلائی تو کرسکتے تھے نا؟''

''میں نے ابھی تک کوئی بھی میسج نہیں دیکھا۔'' مصطفیٰ نے کہا اور پھر احسن کے پکارنے پر پلٹ گیا تھا۔ رات کی طرح مصطفیٰ کا انداز خفا نہیں تھا تاہم سنجیدگی برقرار تھی۔

شہوار کے اندر کچھ سکون سا اترا تھا' صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کے ڈیوٹی آورز شروع ہوچکے تھے۔ صبوحی بیگم ہوش میں تھیں بات بھی کررہی تھیں۔ ان کی طرف سے دل کو کچھ تسلی ہوئی تو توجہ اور پریشانی کا مرکز ولید کی ذات بن گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کو لگ رہا تھا کہ گویا زندگی روٹھتی جارہی ہے۔

''شہوار آپ ایسا کریں انا کو سمجھا بجھا کر گھر لے جائیں' روشی ماما کے پاس رک جاتی ہے۔ پاپا کو بھی آرام کی ضرورت ہے' جیسے ہی ڈاکٹرز کی طرف سے کوئی اچھی خبر ملتی ہے ہم آپ کو اطلاع کردیں گے۔'' احسن نے کہا تو شہوار نے سر ہلادیا تھا۔

انا گھر جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن سب کے اصرار پر وقار صاحب اور شہوار کے ساتھ آگئی تھی۔ مہر النساء ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ انا کو شہوار کے سہارے کی ضرورت تھی' سو اسے اس کے ساتھ جانے دیا گیا تھا۔ گھر آکر صغراں سے چائے بنوا کر شہوار نے زبردستی انا کو پلائی۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ناشتا کرنے سے انہوں نے بھی منع کردیا تھا' عجیب افسردہ سا ماحول تھا۔ شہوار واپس انا کے پاس اس کے کمرے میں آگئی تو وہ قالین پر بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

''انا......؟'' شہوار نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر شدت سے رودی تھی۔

''محبت پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا' اگر ہوتا تو شاید میں ولید ضیاء سے کبھی محبت نہ کرتی۔'' انا نے روتے ہوئے کہا اور شہوار ایک دم گم صم سی ہوگئی تھی۔

''میں نے ولی کو دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا' پاگل پن کی حد تک۔ ولی کی طرف نگاہ اٹھتی تھی تو اپنا آپ بھول جاتی تھی میں۔'' وہ اب ہچکیوں سے رورہی تھی' شہوار نے دھیرے سے اسے خود سے جدا کیا۔

''اگر یہ سب تھا تو تم نے یہ منگنی کیوں ختم کی' یہ جماد کہاں سے آ گیا تھا تم دونوں کے درمیان۔'' شہوار کی حیرت سوا ہوئی تھی۔

''بالکل اسی طرح جس طرح کاشفہ میرے اور ولی کے درمیان آگئی تھی۔'' شہوار کاشفہ کے نام پر ایک دم چونکی تھی۔

''کون کاشفہ؟''

''ایک بار ولی کی کار سے اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر دونوں ملنے لگے وہ لڑکی ولید کو پسند کرنے لگی اور میں سمجھتی رہی کہ ولید میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔'' اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے سر جھکائے اس نے مزید بتایا۔

''اس لڑکی نے ولید کی خاطر خودکشی کی کوشش کی تھی......'' شہوار الجھ گئی تھی۔

''وہ مجھے کالز کرتی اور بہت کچھ کہتی رہتی' میں سمجھتی رہی کہ ولید بھی اس لڑکی میں انوالو ہے۔ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں ولید سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی اور محبت کے ساتھ اس کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ میں بداعتمادی کا شکار ہوئی اور میرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ میں نے ولید ضیاء سے محبت تو کرلی تھی لیکن کبھی اعتبار نہ کرسکی۔'' وہ کہہ کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر شدت سے رودی۔

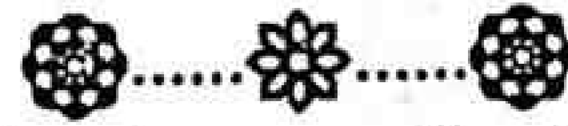
"میں سمجھتی رہی کہ ولید مجھے دھوکہ دے رہا ہے' میں ولید سے الجھتی تھی لڑتی تھی۔ میرے جذبات نے مجھے عجیب پاگل سا بنادیا تھا' میں نے اپنے ہاتھوں سے ولید کو خود سے بدظن کردیا۔"

"جب یہ سب کچھ تھا تو پھر یہ فاصلے کیسے آ گئے تم دونوں میں' جہاں تک میں جان پائی ہوں ولی بھائی ایک بہت ہی ڈیسنٹ اور مخلص انسان ہیں' تم نے اتنی بڑی زیادتی کردی ان کے ساتھ۔" شہوار کو یہ سب سن کر اورانا کی حالت دیکھ کر ازحد تاسف ہورہا تھا۔

"میری بیوقوفی' کم عقلی اور میرا جنون مجھے لے ڈوبا۔ میں ولید کی محبت' اس کے رویوں کو شک کی نگاہ سے تولتی رہی' کبھی کاشفہ اور کبھی کیتھی کو۔ نے کر بدظن ہوتی رہی۔" وقت انا کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب پچھتاوے اس کے ساتھ تھے' صرف پچھتاوے۔ وہ پچھتاؤوں کے سمندر میں غرق خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

"لیکن میں نے بس یہی چاہا تھا کہ ولی کو کچھ بھی نہ ہو' کسی کو بھی کچھ نہ ہو۔ کاشفہ مجھے دھمکیاں دیتی رہی اور میں سب سمجھتے بوجھتے اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتی گئی۔" شہوار نے اسے حیرت سے دیکھا' نجانے یہ کاشفہ کون تھی اور اس کی کیا کہانی تھی؟

انا اسے بہت عزیز تھی لیکن اسے گمان تک نہ تھا کہ انا کی زندگی میں اتنا کچھ ہوگیا وہ بھی محض کسی اورلڑکی اور ایک شک کی وجہ سے۔ شہوار نے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور انا اس کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ لدا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور شہوار حیرت سے گنگ انا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سنتی رہی تھی۔



صفدر سانپ کی طرح اس کے گھر میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا زیبن ایک طرح سے گھر میں قید ہوکر رہ گئی تھی۔ بخش دین جس لڑکے کا بندوبست کر کے گیا تھا وہ اسے فارغ کرچکا تھا' ملازمہ پر اس کی کڑی نظر تھی۔ کئی بار وہ زیبن کے کمرے اور پورے گھر کی تلاشی لے چکا تھا' پیسے کی ہوس نے اسے اندھا بنا رکھا تھا' زیبن گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔

اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جارہے تھے ویسے ویسے ہی وہ زندگی سے بےزار حالات میں جکڑی بالکل بےبس ہوتی جارہی تھی۔ ایسے میں بابا صاحب کی آمد کسی صدمے سے کم نہ تھی۔

"حیات علی کو ہم نے باہر بھجوادیا ہے اور ہم ایسے حالات پیدا کررہے ہیں کہ وہ اب اگلے تین سال تک پاکستان نہیں آسکے گا۔ تم جیسی لڑکیوں سے اپنے بچوں کی جان کیسے چھڑوائی جاتی ہے' ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ دولت وجاگیر کے نشے میں چور کہہ رہے تھے اور زیبن حیرت میں گم ان کو سن رہی تھی۔

"جاگیرداروں کے بیٹے جوانی کے جوش میں ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں' تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک اس بازاری لڑکی سے زیادہ نہیں جو پیسے کی خاطر اپنا آپ کو بیچ دیتی ہے۔" وہ اسے ذلیل کررہے تھے اور زیبن کے اندر گویا پل پل زندگی کی رمق ختم ہوتی جارہی تھی۔

"ایک دو دن کے اندر یہ گھر خالی کر کے نکل جاؤ تم یہاں سے ورنہ میرے ملازم خود آکر تمہیں یہاں سے ذلیل کر کے باہر نکال پھینکیں گے۔" زیبن کا دل ایک دم کانپا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے خاموش تماشا دیکھتے باپ کو دیکھا۔

"ایسے کیسے نکل جائیں تمہارا بیٹا نکاح کر کے لایا تھا اسے۔" صفدر درمیان میں کودا تو پہلی بار باپ کی موجودگی سے زیبن کے اندر کچھ تسلی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"کون ہو تم؟"

"باپ ہوں اس کا۔"

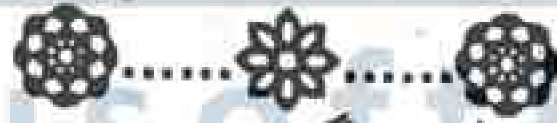
"اوہ......" بابا صاحب نے بغور دیکھا۔ ایک چالاک اور عیار شخص جیسی چمک آنکھوں میں لیے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میرے بندے تم لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔" بابا صاحب نے ڈرانا چاہا تھا۔

"میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا' کورٹ میں مقدمہ کردوں گا۔" صفدر چیخ کر بولا تبھی بابا صاحب نے اپنے ملازمین کو آواز دی' وہ اندر آ گئے تھے۔

"دو دن تم لوگ اس گھر کے سامنے پہرہ دو گے اگر ان لوگوں نے گھر خالی کردیا تو ٹھیک ورنہ اٹھا کر سامان سمیت باہر پھینک دینا۔"

وہ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ پیچھے صفدر چیختا چلاتا رہا لیکن کوئی اثر نہ تھا۔ باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو صفدر باہر بھاگا' ابھی گاڑی روانہ نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے سنجیدگی سے صفدر کو کھڑکی کے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو تلخی سے مسکرائے۔



ایک ماہ گزرنے میں ابھی کچھ دن باقی تھے' حیات علی نے گھر فون کیا۔ بابا صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے انہیں دو ماہ مزید رکنے کو کہا۔ حیات علی پہلے ہی بڑی مشکل سے ایک ماہ گزار پائے تھے' بابا صاحب کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن بابا صاحب کے دوٹوک انداز کے سامنے بالکل بے بس ہو گئے تھے۔

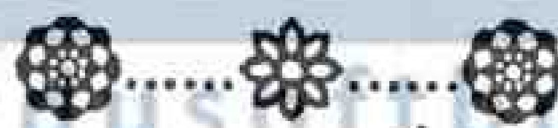
بابا صاحب سے بات کرنے کے بعد حیات علی از حد فکر مند تھے۔ زیبن جس حالت میں تھی ایسے میں اس کے پاس ایک ہمدرد ایک خیال رکھنے والے ساتھی کی ضرورت تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس سے مل بھی نہیں سکے تھے' ملازمہ کی زبانی اس کے باپ کی آمد پھر بہن کے ہاں زیبن کے چلے جانے کا سن کر دل اور بھی پریشان تھا۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ جو بہن کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ تو دن گن گن کر یہ وقت گزار رہے تھے لیکن اب بابا صاحب کا یہ حکم' انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ زبیدہ کا بھائی ان کے قیام کی مدت بڑھا دے گا وہ آرام و سکون سے بیوی بچوں سمیت وہاں رہ لیں۔

دو ماہ اور رکنا ایک عذاب لگ رہا تھا' انہوں نے زبیدہ سے بات کی تو زبیدہ نے بھی انکار کر دیا تھا۔

''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں' بھائی صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کریں۔''

''تم اور بچے رکنا چاہتے ہو تو ضرور رکو مگر میں نہیں رکوں گا میں اب جلد ہی واپس جاؤں گا۔'' وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے دل میں عجیب عجیب سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔

زیبن کو اس حالت میں چھوڑ کر آنے پر ان کا دل مسلسل ملامت کر رہا تھا۔ زبیدہ ابھی واپس آنے پر راضی نہ تھی' وہ اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ اس دن بھی وہ ایمبیسی میں گئے تھے' واپسی پر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب مخالف سمت سے آتی تیز رفتار گاڑی ان کو کچل کر بھاگ گئی تھی۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھی وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں' انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہو رہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔

ولید کی طرف سے بدگمانی اور شکوک نے گویا اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر دی تھیں لیکن یہاں آنے کے بعد اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوئی' کاشفہ اور اس کے ساتھ موجود دوسری لڑکی نے اس کے ہاتھ سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تم ہماری مہمان ہو' آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ۔ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔'' کاشفہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر بستر کے کنارے دھکا دے کر بٹھا دیا تھا۔ اس نے اس کا بیگ لے لیا وہ اس کی تلاشی لے رہی تھی اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس نے اس کے سامنے سوئچ آف کیا تھا۔ انا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' کاشفہ مسکرائی تھی۔

اس کا دماغ اب تیزی سے سوچ رہا تھا اور جو حقیقت سامنے آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکا کھا چکی ہے اور اب نجانے کاشفہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا' وہ ایک دم اپنا چکراتا سر تھام کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''ارے ہم نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئیں۔'' کاشفہ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بے دم سی ہو گئی تھی۔ اس کی ذہن کی سطح پہ لگنے والا یہ صدمہ اسے بالکل مفلوج کر چکا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کی آواز لرز رہی تھی۔

"ولید کو؟" وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔ انا کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔
"تو مجھے یہاں کیوں لائی ہو تم؟" وہ اذیت سے چیخی تھی۔
"اپنی تصحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔" انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں مجھے دھوکے سے ساتھ لائی ہو تم بات کرنا چاہتی تھی میں تمہاری بات سننے کے لیے ساتھ آئی تھی۔" کاشفہ ہنسنے لگی تھی۔

"ہاں تو بات ہی کریں گے۔" ہنسی روک کر اس نے کہا تھا۔
"لیکن اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی' جا رہی ہوں میں۔" انا کاشفہ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے سحر سے نکلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

کاشفہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا رستہ روکا تھا اور کاشفہ کی دوست نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ انا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔

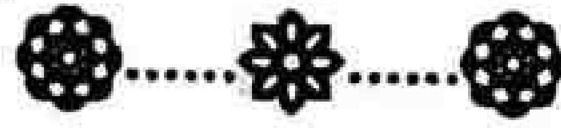
"اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نہیں نکل سکتیں جب تک میں نہیں چاہوں گی۔" کاشفہ کا لب ولہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا' انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔
"یو بلڈی......" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"تم لوگوں نے مجھے چیٹ کیا' دھوکے سے یہاں لائیں۔" وہ ایک دم تمام تر لحاظ ومروت بھلا کر پھٹ پڑی تھی۔
"یو شٹ اپ......" کاشفہ نے انگلی اٹھا کر ایک دم چپ کروایا تھا۔
"تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی' مکمل طور پر ہمارے اختیار میں ہو ذرا سی بھی بکو اس کی تو جان سے مار دوں گی۔" کاشفہ نے اپنے بیگ سے چاقو نکال کر انا کے سامنے لہرایا تھا۔ انا کا سانس ایک دم رکنے لگا تھا۔
"آرام سے بیٹھ جاؤ۔" چاقو کے اشارے سے اس نے اسے بستر کی طرف دھکیلا تھا' انا بستر کے کنارے گر گئی تھی۔
"میں ولید سے محبت کرتی ہوں اور تم اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہو۔" اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کاشفہ نے کہنا شروع کیا تھا۔

"لیکن تم یہ نہیں جانتیں کہ ولید مجھ سے محبت کرتا ہے۔" دونوں کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔
"مجھے ولید پہلی نگاہ سے ہی اچھا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس شخص کو حاصل کرنا ہے اور پھر میں نے اس کے لیے کوشش شروع کر دی۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
"ولید جتنا شاندار تھا میرے لیے اتنا ہی مشکل مرد ثابت ہوا' میں کاشفہ جو لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی وہ ولید ضیاء کو نہ اپنے حسن کے جال میں جکڑ سکی اور نہ ہی اپنی اداؤں سے۔ ولید سے دوستی میں زیادہ تر ہاتھ میرا تھا اور وہ مروت میں میری طرف بڑھتا رہا۔ میں سمجھتی رہی کہ ایک دن ضرور میں اسے حاصل کرلوں گی لیکن پھر تم درمیان میں آ گئیں۔" اس نے کہتے کہتے نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا کہ تم اس کی فیانسی ہو میں یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ میں نے ولید کے لیے کیا کچھ جتن کیا حتیٰ کہ اسے قائل کرنے کے لیے خودکشی تک کی کوشش کی لیکن وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن میں اب اسے بتاؤں گی اگر کاشفہ کو اس کی من پسند چیز نہ ملے تو وہ کیا کچھ کرسکتی ہے۔"
"اور وہ سب جو تم اپنے اور ولید کے تعلق کے بارے میں بتاتی رہیں وہ سب کیا تھا؟" کاشفہ کے الفاظ سن کر انا کا غم سے بُرا حال تھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا تو کاشفہ مسکرائی تھی۔

"وہ سب جھوٹ تھا' میرا اور ولید کا ایسا کوئی بھی تعلق نہ تھا میرا مقصد تمہیں ولید سے بدظن کر کے دور کرنے کا تھا۔" انا کا جی چاہا اپنے آپ کو شوٹ کرلے۔ وہ ایک کم عقل' احمق اور بے وقوف لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی بداعتمادی اور شکی طبیعت کے باعث

نہ صرف خود عذاب میں مبتلا رہی تھی بلکہ ولید کی زندگی بھی اجیرن کرچکی تھی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔
"تو اب کیوں بتارہی ہو تم؟" انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سمیت وہ ساری دنیا کو آگ لگادے۔
"میں ولید کے سامنے ہر طرح کا حربہ آزما چکی ہوں وہ اب میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن اب مجھے اسے حاصل کرنا ہے یہ اب میری ضد ہے اور تم مجھے ولید تک پہنچاؤ گی میرے اور اس کے درمیان راہ ہموار کروگی۔" کاشفہ نے سفاکیت کی انتہا کردی تھی۔
"تمہارا کیا خیال ہے تمہاری یہ ساری بکواس سننے کے بعد میں تمہارا ساتھ دوں گی؟" انا کے لہجے میں نفرت تھی' کاشفہ مسکرائی تھی۔
"بالکل...... تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا' تم ہمارے ساتھ آکر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکی ہو اور جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں ہوں گے تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔" ہاتھ میں تھاما چاقو انا کے سامنے کرتے اس نے کہا تو انا کے اندر ایک دم غم وغصے کا شدید طوفان اٹھا تھا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ کاشفہ کے چاقو والے ہاتھ پر مارا تھا' چاقو دور جاگرا تھا۔ کاشفہ کو دھکا دے کر اپنا بیگ جھپٹ کر انا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اب ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا لیکن دروازہ لاک تھا تب تک کاشفہ اور اس کی دوست دونوں سنبھل چکی تھیں۔ کاشفہ نے دوبارہ چاقو تھام لیا تھا' انا زور زور سے لاک گھمارہی تھی۔
"یو بلڈی...... تم یہاں سے بھاگو گی' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" کاشفہ پاگلوں کی طرح غراتے انا کی طرف بڑھی تھی۔



صفدر کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی چڑھی ہوئی تھی' وہ بابا صاحب سے ملا تھا۔ نجانے کیا معاملات طے کیے تھے کہ زیب النساء کے چیخنے چلانے کے باوجود اس نے ملازمہ کو فارغ کردیا تھا اور پھر زیبن کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔
"ابا یہ ظلم مت کرو' میری حالت دیکھو میں کہاں خوار ہوتی رہوں گی' وہ میرے شوہر کا گھر تھا۔ میرا شوہر مجھے یہاں لایا تھا کیوں ظلم کررہے ہو۔" باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی زیبن صفدر کا دل نہیں پگھلا سکی تھی۔
"تیری ماں مرتے مرتے میرے ساتھ تو نیکی کرگئی ہے' بڑا پیسہ ہے اس چوہدری کے پاس اب دیکھو میں کیسے پیسہ نکلواتا ہوں۔" بیٹی کے رونے دھونے کا کوئی اثر ہی نہ تھا' زیبن نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
وہ اسے تھوڑا بہت کھانے کا سامان دے کر گھر میں بند کرکے چلا گیا تھا' زندگی میں پہلی بار زیب النساء اس رات خوف زدہ ہوئی تھی اور پھر آنے والے لگاتار تین چار دن تک صفدر نے گھر کی راہ نہ دیکھی تو زیبن کو اپنے ساتھ ساتھ اپنے اندر پلتی جان کی فکر بھی ستانے لگی۔
گھر میں صفدر کھانے پینے کو جو چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ختم ہوچکا تھا۔ کل سے وہ بس پانی پر گزارہ کررہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسی طرح وہ بھوک سے نڈھال لڑتی رہی تو وہ مرجائے گی' وہ بس ہر وقت رو رو کر اللہ سے صفدر کے آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اور پھر پانچویں دن صفدر چلا آیا تھا۔ برآمدے کے ننگے فرش پر بے ہوش زیب النساء کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔
اسے بابا صاحب کے ساتھ کی گئی سازباز پانی میں ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔ وہ بابا صاحب کو بلیک میل کرکے بہت سارا پیسہ نکلوانا چاہتا تھا ایسے عالم میں زیبن کا زندہ رہنا لازمی تھا۔ جیسے تیسے کرکے اس نے زیبن کو چارپائی پر لٹایا تھا اور خود ڈاکٹر کو بلانے چل دیا تھا' بھوک نقاہت' خوف اور صدمے نے زیب النساء کو نیم جان کردیا تھا۔ وہ زندہ تھی بس اللہ کا ہی کرم تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا' دوائیاں لکھیں' مناسب خوراک اور دیکھ بھال کی تلقین کرتا چلا گیا تو صفدر زیب النساء کی تیمارداری میں لگ گیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی حالت بہتر ہوئی' وہ اب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہوگئی تھی۔
"ابا کیوں کررہے ہو یہ سب؟" اگلے دن صفدر کھانے پینے کا کافی سارا سامان رکھ کر پھر کہیں جانے لگا تو خوف سے لرزتی زیب النساء سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔
"تو تیرا کیا خیال ہے میں ہر وقت تیرے گھٹنے سے ہی لگا رہوں۔" کھاجانے والی نظروں سے زیب النساء کو گھورا تھا' وہ سہم گئی تھی۔

ماں کے پلو سے لگ کر جوان ہونے والی لڑکی چوہدری حیات علی کی بیوی بن کر اور بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ صفدر چلا گیا تو وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ دن بہ دن اس کے اندر کی مقابلے کی قوت ختم ہوگئی تھی۔

چوہدری حیات علی کو ملک سے باہر ایک ماہ ہو چکا تھا، وہ گھر چھوڑ چکے تھے کوئی جان پہچان والا نہ تھا کہ جس سے وہ رابطہ کر کے کوئی خیر خبر حاصل کر لیتی۔ زندگی ایک دم تاریک اور بھیانک ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ صفدر صرف تب تک اس کا خیال رکھنے والا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لیتی۔ اس کے بعد اس جیسا لالچی آدمی نجانے اسے کس کے ہاتھ جوئے کے نام پر بیچ دیتا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے وہ دن رات حیات علی کے لوٹ آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

بس اپنے بچے کے آنے کا انتظار تھا، زیب النساء کا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا اور پھر ایک شام اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی، خوش قسمتی سے اس شام صفدر گھر پر ہی تھا۔ دو دن بعد وہ گھر لوٹا تھا، بیٹی کی چیخیں سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر نجانے اسے اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا یا کیا تھا وہ ایک عورت کو لے آیا تھا اور پھر اس شام اس نے اللہ کو یاد کرتے درد سہتے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ ایک خوب صورت لیکن بہت کمزور سے بیٹا زیب النساء کو لگا اس کے اندر جیسے زندگی نے پھر نئی کروٹ لی ہو۔ اسے تمام تکلیفیں اور تمام درد بھولنے لگے تھے۔ صفدر خلاف توقع اس کا خیال رکھ رہا تھا، کھانے پینے کا سامان لا دیتا تھا۔ بچہ بہت خوب صورت تھا لیکن بہت کمزور، زیب النساء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی لیکن اب اس کے اندر اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش ابھری تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اور صرف اپنے بیٹے کے لیے۔ حیات علی کا انتظار کرتے کرتے وہ اب مایوس ہو چکی تھی اب اس کی سوچوں کا محور صرف اس کا بیٹا تھا۔

بیٹے کی پیدائش کو آٹھ دن گزر چکے تھے، نہ کوئی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی خوشی۔ غم سے نڈھال زیب النساء نے خود ہی اپنے بیٹے کا نام رکھ لیا۔

''فیضان حیات علی......'' وہ دن میں کئی کئی بار یہ نام دہراتی اور سسکنے لگتی، اسے حیات علی کی بہت یاد آتی تھی۔ صفدر کی طرف سے ابھی تک سکون تھا، وہ اس کے کھانے پینے علاج معالجے کا خیال رکھ رہا تھا، اسے لالچ تھا یا کیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اس دن فیضان کو سلا کر کمرے سے نکلی تو صفدر نے روک لیا۔

''اپنے بیٹے کو تیار کر دے مجھے اسے کہیں لے کر جانا ہے۔'' وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

''کہ......کہاں جانا ہے......؟''

''حیات علی کے باپ کے پاس جاؤں گا۔''

''کیوں؟''

''اس کے باپ کی خیر خبر لوں گا، ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ نکاح ہوا تھا تمہارا، اس کے باپ نے اس گھر سے نکلوا دیا اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔'' صفدر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تو تم خود جا کر پتا کر آؤ نا، فیضان کو کیوں ساتھ لے کر جاتے ہو۔''

''زیادہ بک بک نہ کر، تجھ سے مشورہ نہیں مانگا۔ اپنے بیٹے کو کپڑے بدل کر دے مجھے۔'' صفدر نے تلخی سے کہا۔

وہ ایک لمبی پلاننگ کر چکا تھا وہ اب فیضان کو آلہ بنا کر بابا صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ گھر چھوڑنے پر معاملہ طے کرتے ان سے رقم نکلوا چکا تھا۔ زندگی اس کی جیسے تیسے گزر چکی تھی لیکن وہ اب اپنے بڑھاپے کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔

''میں نہیں دوں گی، تمہارا کوئی بھروسہ نہیں تم اسے لے کر بھاگ گئے تو......''

''زیادہ زبان نہ چلا، بھاگنا ہوتا تو ان دو ماہ کا انتظار نہ کرتا۔ اس کے باپ کا پتا کرنے جا رہا ہوں، تیرا ہی بھلا ہے اس میں۔'' غصے سے بیٹی کو گھورا تھا، وہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔

''لیکن فیضان بہت چھوٹا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔''

''تو ٹھیک ہے چل تو بھی ساتھ چل۔'' اسے کسی بھی طرح آمادہ نہ دیکھ صفدر نے پینترا بدلا تھا۔ زیبن مان گئی، حیات علی کے

گاؤں کا انہیں بس نام کا پتا تھا صفدر کے ساتھ انہیں وہاں آتے آتے چار گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بہت بڑے جاگیر دار تھے حیات علی کی حویلی تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تھی۔ بخش دین نے فوراً پہچان کر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ دیکھتے ہی پریشان ہوگیا تھا۔

"حیات علی میری بیٹی کا شوہر ہے اس کے باپ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا' کہتا تھا خاموشی سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کردوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی کی خاطر نکل آیا لیکن اب اس کا ایک بیٹا ہے چوہدری حیات علی کا کوئی اتا پتا نہیں۔" صفدر اونچی آواز میں بولنے لگا تھا' بخش دین ارد گرد دیکھتے کسی کو علم نہ ہوجانے کے خوف سے ان دونوں کو لے کر ایک طرف کونے میں آرکا تھا۔

"دیکھو تم نے ان کو اور بچے کو ساتھ لاکر بہت بڑی غلطی کی ہے' تم نہیں جانتے یہ لوگ کیسے ہیں۔ چوہدری حیات علی کی وجہ سے بابا صاحب نے تم لوگوں کو زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کرسکتے تھے۔"

"لیکن چوہدری صاحب کہاں ہیں' تم نے کہا تھا ایک ماہ بعد وہ پاکستان آجائیں گے لیکن ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی۔" زیبن نے خود پوچھا تو بخش دین کچھ دھیما ہوا۔

"باہر کے ملک میں چوہدری صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔"

"ہائے میں مرگئی۔" زیبن تو سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

"بڑی نازک حالت تھی' کئی ماہ سے وہاں اسپتال میں ہیں۔ سنا ہے دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی اور بھی چوٹیں لگی آئیں ہیں' مہینوں لگ جانے ہیں بالکل ٹھیک ہونے میں۔" بخش دین نے بتایا تو زیب النساء ایک دم رونے لگی۔ وہ سمجھتی رہی تھی کہ حیات علی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے لیکن ایسا بھی ہوسکتا ہے اس کے گمان میں نہ تھا۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ رو رہی تھی۔

"آپ فکر نہ کرو' چھوٹے چوہدری صاحب سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا جب بھی کوئی اطلاع ملی تو میں ان تک پیغام پہنچادوں گا۔" بخش دین نے خلوص سے کہا۔

"چھوڑو تمہارے پیغام پہنچانے تک کیا ہم ایسے ہی لٹکے رہیں گے۔ میں آج بڑے چوہدری سے مل کر ہی جاؤں گا' نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے۔ یہ بچہ اب چھوٹے چوہدری کا بیٹا ہے' دیکھتا ہوں چوہدری ہمیں کیسے یہاں سے نکالتا ہے۔" صفدر جو پلاننگ کرچکا تھا اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

"چوہدری صاحب تم کو جان سے ماردیں گے اگر تم ایسا کرو گے۔ میری مانو تو تم دونوں چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اگر بڑے چوہدری صاحب کو خبر بھی مل گئی تو وہ حشر نشر کردیں گے تم لوگوں کا۔" بخش دین نے ڈرانا چاہا۔

"میں نہیں ڈرنے والا' تم مجھے چوہدری سے ملوادو بس' پھر دیکھتا ہوں کیا کرتا ہے وہ۔" وہ کسی بھی طور ٹلنے والا نہ تھا۔

"جیسے تمہاری مرضی لیکن ایک بات مانو بی بی کو ساتھ مت لے جاؤ ان کو میں ادھر کمرے میں بٹھا دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" زیب النساء جو پہلے ہی حیات علی کا سن کر رو رہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی۔

بخش دین اسے چوکیدار کے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا کر خود صفدر کو لے کر چلا گیا تھا' چوہدری سراج بخش دین کے ساتھ صفدر کو دیکھ کر چونکے تھے۔

"تم یہاں......"

"تم تو چوہدری اس گھر سے نکلنے پر کچھ ہزار دے کر رفو چکر ہوگئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں گا۔ نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے' حیات علی کا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہوں تو مقدمہ کرسکتا ہوں۔" صفدر علی آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔

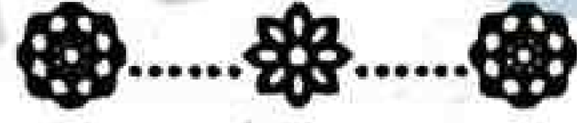
"تم جیسے نیچ خاندان کے لوگ ایسے ہی پیچھا پکڑ لیتے ہیں۔ تم نے معاملہ طے کیا تھا کہ تم اپنی بیٹی کو لے کر بالکل غائب ہوجاؤ گے اور کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ پیسے لیے تھے تم نے مجھ سے اس کام کے لیے' اب تم دھمکیاں دے رہے ہو وہ بھی چوہدری سراج علی

کو۔ جانتے ہو کیا انجام ہو سکتا ہے تمہارا یہاں آنے پر۔‘‘ نہایت غیض و غضب سے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔
’’تمہاری بہو اور اس کے بیٹے پر وہ ساری رقم خرچ کی ہے میں نے یا تو مجھے میری منہ مانگی رقم دو یا پھر میری بیٹی کو اس حویلی میں جگہ......‘‘ اس نے دھمکایا۔ چوہدری سراج نے چند پل بغور صفدر کو دیکھا۔
وہ ایک لالچی شخص تھا اس کا منہ بند کیا جا سکتا تھا لیکن یہ مسئلے کا حل نہ تھا وہ پھر کسی بھی وقت انہیں دھمکانے دوبارہ آ سکتا تھا اور پھر اگر کسی اور سے ملاقات ہو جائے تو ان کی عمر بھر کی عزت مٹی میں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچا اور بخش دین کو کچھ لوگوں کو بلوانے کا کہا وہ لوگ آ گئے تو چوہدری سراج علی نے ان کو حکم دیا۔
’’اس شخص کو لے جاؤ‘ اس کا وہ حشر کرو کہ دوبارہ مجھے نظر نہ آئے۔‘‘
’’تم ایسا نہیں کر سکتے چوہدری‘ میں پولیس میں جاؤں گا‘ مقدمہ کروں گا تم پر۔‘‘ وہ چیخنے چلانے لگا تھا جبکہ تین چار طاقتور مرد زبردستی دھکیلتے اسے لے گئے تھے۔ بخش دین خاموشی سے محو انتظار زیب کے پاس آیا تھا۔
’’بی بی تمہارے باپ کو چوہدری کے بندے لے گئے ہیں اب وہ زندہ بچتا ہے یا نہیں تم فوراً یہاں سے نکلو۔ اگر چوہدری صاحب کو پتا چل گیا کہ تم بھی ساتھ تھیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بچے کو بھی جان سے مروا دے گا۔‘‘
’’کیا......؟‘‘ زیب النساء ڈر گئی تھی۔ بخش دین اسے چوری چھپے وہاں سے نکال کر اڈے تک پہنچا گیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سفر کر رہی تھی‘ نجانے وہ کیسے ٹھوکریں کھاتی واپس پہنچی تھی۔ صفدر کے ساتھ نجانے کیا سلوک ہوا تھا‘ وہ غم سے نڈھال تھی۔ رات گئے وہ شہر پہنچی تھی‘ اکیلی تنہا ایک دو ماہ بچے کے ساتھ ڈری سہمی لڑکی وہ بہت کچھ برداشت کرتی گھر پہنچی تو آگے تالا لگا ہوا تھا۔
اسے یاد آیا چابی تو صفدر کے پاس تھی۔ بخش دین نے اسے کرائے کے لیے کچھ پیسے دیئے تھے ان میں کچھ بچ گئے تھے وہ تھکی ہاری جب مہر النساء کے گھر پہنچی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر پر نہیں تھا چوکیدار کو ترس آ گیا تھا اس کی حالت اس قدر ابتر ہو رہی تھی کہ اسے اندر جانے دیا تھا۔ مہر النساء اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ بخش دین کی زبانی زیب النساء کو جو معلوم ہوا تھا وہ سب اس نے مہر النساء کو کہہ دیا تھا۔
مہر النساء نے بظاہر تسلی دی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ خود بھی پریشان ہو چکی تھی جیسے تیسے کچھ دن گزرے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر آ چکا تھا‘ زیب النساء کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھایا تھا لیکن کہا کچھ نہ تھا۔ زیب النساء دو تین بار جا کر پتا کر آئی تھی گھر پر ابھی بھی تالا تھا۔
اس رات وہ بہت غم زدہ تھی‘ اس کی طبیعت خراب تھی۔ صفدر کی کوئی خبر نہ تھی‘ مہر النساء کے شوہر کے تیور دن بہ دن بدلتے جا رہے تھے۔ آتے جاتے وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ زیب النساء ڈر جاتی تھی۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔
وہ رات کو لیٹی تھی فیضان کو سلاتے سلاتے ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا اس نے اٹھ کر کھولا تو نشے میں دھت مہر النساء کا شوہر کمرے میں داخل ہوا تھا‘ زیب النساء چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی تھی‘ وہ بپھرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ فیضان کو اٹھا کر اپنا بچاؤ کرتی بڑی مشکل سے کمرے سے نکلی تھی اس کی چیخوں اور شور کی آواز سن کر مہر النساء بھی آ گئی تھی۔
’’آپا...... مجھے بچا لو......‘‘ روتی بلکتی زیب النساء اس سے لپٹ گئی تھی۔ نجانے مہر النساء کے اندر اتنی ہمت کیسے آ گئی تھی روتی بلکتی بہن اور اس کے بیٹے کو سہارا دیتی وہ اپنے کمرے میں لے آئی تھی‘ اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ رات بڑی بھیانک تھی۔ وہ شخص مغلظات بکتا‘ گالیاں دیتا‘ شور مچاتا بُرے نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔
صبح ہوئی تو اس شخص نے صاف کہہ دیا تھا کہ زیب النساء اپنا کہیں اور بندوبست کر لے وہ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔
زیب النساء کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے‘ کیا کرے؟
مہر النساء نے بہت منتیں کی تھیں لیکن اس کے شوہر کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ مجبوراً مہر النساء نے اسے اپنی ایک نند کا ایڈریس لکھ کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ آپا صفیہ مہر النساء کے شوہر کی بہن تھیں اولاد سے محروم تھیں‘ شوہر وفات پا چکا تھا‘ وہ اکیلی گھر میں رہتی تھیں کافی نیک صفت خاتون تھیں۔
مہر النساء کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا‘ زیب النساء کو انہوں نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا لیکن آپا صفیہ کے ہاں

جا کر دکھوں اور غموں سے نڈھال زیب النساء کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ حیات علی کی غفلت‘ باپ کی گمشدگی اور اب اس نئے دھچکے نے اس کے اندر سے زندگی کی امید چھین لی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جارہی تھی‘ غموں نے اس کے وجود کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا تھا‘ آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں لیکن لگتا تھا کہ جیسے زیبن کے اندر زندہ رہنے کی لگن بالکل ختم ہوگئی تھی وہ اپنا علاج کروانے سے بھی کترانے لگی تھی۔

فیضان چھ ماہ کا ہونے کو آرہا تھا‘ لیکن حیات علی کا کوئی پتا نہ تھا اور صفدر بھی تاحال گم شدہ تھا‘ وہ بالکل مایوس ہوچکی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ رہنے لگا تھا اور پھر ایک رات اسے دمہ کا دورہ پڑا تھا‘ آپا صفیہ اسے ہسپتال لے گئی تھیں لیکن زیب النسا نے رستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ روتا بلکتا فیضان باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی محروم ہوگیا تھا۔ مہر النساء کا صدمے سے بُرا حال تھا‘ دنیا داری کو وہ آئی تھی باپ کی ابھی تک کوئی خبر نہ ملی تھی کہ زندہ بھی ہے یا......

فیضان کو اولاد کے لیے ترسی ہوئی آپا صفیہ نے اپنے سینے سے لگالیا تھا۔ زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوا تو چوہدری حیات علی سے متعلق ہر خبر نے گویا دم توڑ دیا تھا اور پھر زندگی ایک نئے ڈھنگ میں گزرنے لگی تھی۔



فیضان ماموں اور سہیل بھائی دوبارہ ہادیہ کے والد کے پاس گئے تھے‘ انہوں نے مثبت جواب دیا تھا۔ ہادیہ اور رابعہ کا خوشی سے بُرا حال تھا‘ ابوبکر بھی خوش تھا۔ بس یہی طے ہوا تھا کہ ایک دن بعد نکاح ہوگا اور رخصتی چند ماہ بعد...... ہادیہ کا باپ ایک محنتی انسان تھا اپنی زندگی کو انہوں نے خود بنایا‘ سنوارا تھا اور زندگی میں ایک مقام بنایا تھا۔ ابوبکر سے متعلق انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ ابوبکر میں انہیں اپنا ماضی دکھائی دیا تھا سو وہ فیصلہ کرکے مطمئن تھے۔

رابعہ جوش و خروش سے نکاح کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ ثریا بیگم بھی سب کے سمجھانے بجھانے پر صدمے کی کیفیت سے نکل کر ابوبکر کے نکاح کے بندوبست میں لگ گئی تھیں۔

ابوبکر کا فلیٹ تیار تھا لیکن یہی فائنل ہوا تھا کہ ابوبکر کے نکاح کی ساری تیاریاں سہیل کے گھر سے ہی ہوں گی۔ وہ بھابی کے ساتھ اسی سلسلے میں ہی لگی ہوئی تھیں جب اس کے نمبر پر عباس کی کال آگئی تھی۔

”السلام علیکم! سر کیسے ہیں؟“ اس کی آواز میں کھنک سی تھی۔

”وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔“ عباس نے پوچھا۔

”آپ کی شادی کی ٹائمنگ کا پوچھنا تھا میں نے؟“ عباس نے فون کرنے کی وجہ بتائی تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سر میری شادی نہیں ہورہی۔“

”کیا...... کیا مطلب؟“ عباس الجھا۔

”سر! میری شادی کینسل ہوگئی ہے وہ اب نہیں ہورہی۔ میں نے کال کرکے اسٹاف کے باقی ممبرز کو اطلاع کردی تھی آپ کو شاید کسی نے نہیں بتایا ہوگا۔“ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ دوسری طرف موجود عباس کو لگا کہ جیسے یہ الفاظ سن کر وہ بہت پرسکون ہوگیا ہو۔

”کیسے کینسل ہوگئی شادی؟“ اب کے لہجے میں فکر مندی اور تشویش تھی۔

”شاید ابھی قسمت میں نہیں تھی۔“ وہ پُرسکون تھی۔

”لیکن کوئی ریزن تو ہوگی نا۔“

”اصل میں کل ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہورہا ہے۔“

”ہادیہ کا نکاح...... میں سمجھا نہیں؟“

”اصل میں سر......“ ہادیہ نے بتانا شروع کیا تھا اور مختصراً ہادیہ اور ابوبکر کے متعلق سب سنادیا۔

”ویری گڈ...... یعنی آپ ہادیہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں‘ ویل ڈن۔“ عباس رابعہ کے اس ظرف اور عمل سے بہت متاثر ہوا تھا۔

"سر! قربانی کیسی...... وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ ساری بات کھل چکی تھی اور میں جان بوجھ کر شادی کر بھی لیتی تو شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتی اور سب کچھ جاننے کے بعد میں ابوبکر سے شادی کر لیتی یہ ناممکن سی بات تھی۔"

"ویری نائس۔" عباس نے ایک دم سراہا۔

"ماشاء اللہ ذہنی اپروچ بہت اچھی ہے آپ کی، ورنہ آج کل کے دور میں لوگ حقیقی رشتوں کے متعلق غاصبانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں، دوستی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔"

"شکریہ سر! میرے لیے اپنی ذات اور بعد کے کرائسز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا لیکن میرے سامنے میری ساری زندگی کی خوشیاں اور دوسری طرف ہادیہ کی خوشی اور ابوبکر کی ذات تھی۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن مجھے ابھی قدم پیچھے ہٹا لینا بہتر لگا بانسبت اس امر کے کہ میں ابوبکر سے شادی کر کے ساری عمر پچھتاتی۔"

"بہت ہی اچھا فیصلہ کیا آپ نے میں کچھ بزی تھا آفس بھی کم چکر لگ رہا تھا، اس لیے مجھے آپ کی شادی کینسل ہو جانے کی خبر نہیں مل پائی۔"

"بس جو اللہ کو منظور ہو، ہونا تو وہی ہوتا ہے۔" رابعہ نے بردباری سے کہا۔

"بالکل، بے شک......" عباس مسکرایا۔ عباس کو لگا آج بہت دن بعد اس کے اندر ڈھیر سارا سکون اترا ہو جیسے اپنی ذات ایک دم ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی، خوشبوؤں میں بسی۔ معطر معطر سی......

"او کے سر یہاں کچھ بزی ہوں پھر بات ہو گی۔" رابعہ کو باہر سے بھابی نے آواز لگائی تو اس نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ رابعہ......" عباس ایک دم بولا۔

"جی سر......"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" عباس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"خیریت سر......؟"

"ایک ضروری کام ہے، کیا آپ آج مل سکتی ہیں مجھ سے۔" عباس نے پوچھا تو وہ الجھی۔

"کیسا کام؟"

"کام کی نوعیت ملنے پر ہی بتا سکتا ہوں۔" عباس پرسکون تھا۔

"آج تو ممکن نہیں......"

"تو ٹھیک ہے کل ابوبکر کے نکاح کے سلسلے میں، میں ہادیہ کی طرف سے شامل ہوں۔ وہاں بات کر لیں گے۔" عباس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

"لیکن ہادیہ نے تو آفس کے کسی بھی ممبر کو اپنے نکاح کا نہیں بتایا۔" رابعہ نے کہا تو عباس مسکرایا۔

"ہادیہ کے گھر والوں سے بابا جان کے اچھے فیملی ٹرمز ہیں وہ یقیناً نکاح میں انوائٹ کریں گے۔ ہادیہ سے میں خود بھی بات کر لوں گا اس بات کی آپ ٹینشن نہ لیں۔" عباس نے ایک دم جیسے ہر چیز پلان کر لی تھی۔ رابعہ محض مسکرا دی۔

"او کے، جیسے آپ کی مرضی سر۔"



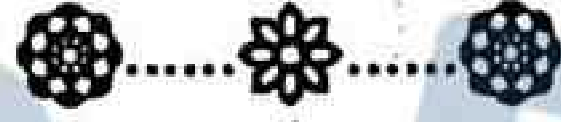
کاشفہ تیزی سے انا کی طرف بڑھی تھی، اس کی دوست نے بھی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ انا شدید مزاحمت کر رہی تھی، کاشفہ نے مشتعل ہو کر ایک زوردار تھپڑ انا کے چہرے پر مارا تو وہ زمین پر جا گری تھی۔

"اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔" نہایت بے خوفی سے چاقو لہراتے اس نے انا کو خبردار کیا تھا۔

"تم اس قدر گھٹیا لڑکی ہو سکتی ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" جواباً انا نے کہا تو کاشفہ نے سختی سے گھورا۔

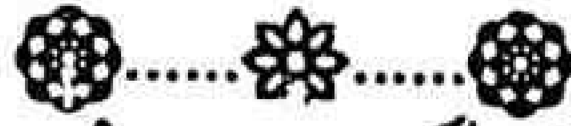
"بکواس بند کرو، جتنی زبان چلاؤ گی اتنا ہی اپنے حق میں برا کرو گی۔ میں تمہیں یہاں محض بات چیت کے لیے لائی تھی اب اپنے حق میں تم خود برا کر رہی ہو۔" کاشفہ نے چلا کر کہا تھا۔

"اس وقت تم ہمارے انڈر ہو' کچھ بھی کہو گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔" کاشفہ کی الفاظ پر انا نے بہت تلخی سے اسے دیکھا تھا۔
"جیدی کو بلاؤ۔" کاشفہ نے اپنی دوست کو کہا تھا۔ اس نے فوراً کسی لڑکے کو کال کی تھی دو منٹ بعد وہ لڑکا کمرے میں موجود تھا۔ اونچا لمبا بگڑے خاندان کا سپوت وہ بھی شاید کاشفہ کا کوئی لگتا تھا۔
"یہ لڑکی قابو میں نہیں آرہی اس کو اچھی طرح سبق سکھاؤ' ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔" لڑکے کے آنے پر کاشفہ نے کہا تو انا کو لگا اس کا حلق خشک ہونے لگا ہے۔ اس نے بہت سہم کر اس لڑکے کو دیکھا جو بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انا کو ایک دم اپنا آپ کسی گہرے کھنڈر میں گرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔



زیب النساء کی وفات کو مزید پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ فیضان کو آپا صفیہ نے بہت آسانی سے سنبھال لیا تھا' چند دن اس نے ماں کی کمی محسوس کی' بیمار بھی ہوا تھا لیکن پھر آپا صفیہ کے ساتھ پلنے لگا تھا وہ اب بڑا ہو رہا تھا اس کی صحت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس سارے عرصے میں مہر النساء صرف دو تین بار بھانجے سے مل سکی تھی۔ مہر النساء کی اپنی بیٹی افشاں بھی اب بڑی ہو رہی تھی' لیکن مہر النساء کے اندر باپ کی غلط حرکتوں اور بہن کی جدائی نے ایک گہرا شگاف ڈالا تھا۔
اس کی معصوم بھولی بھالی کم عمر سی بہن دنیا سے کیسے خوار ہو کر گئی تھی' یہ دکھ مہر النساء کو اندر ہی اندر چاٹنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ بھانجے کو اپنے پاس لے جائے لیکن شوہر کی سختی نے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔
چوہدری حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی اور صفدر وہ نجانے کہا تھا۔ پھر ایک دن انتہائی خراب حالت میں مہر النساء کے گھر کے سامنے صفدر آ کر رکا تھا وہ بار بار مہر النساء سے ملنے کا کہتا تھا۔ چوکیدار کو کسی کو بھی اندر بھیجنے کی اجازت نہ تھی' اس نے مہر النساء کو اطلاع کر دی تھی وہ خود گیٹ تک آئی اور صفدر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ بڑھی ہوئی داڑھی' بکھرے لمبے بال' پھٹے پرانے کپڑے ہڈیوں کا ڈھانچہ وہ تو کہیں سے بھی صفدر نہیں لگ رہا تھا۔
"ابا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تُو نے اپنی۔" وہ حیران تھی جواباً صفدر مغلظات بکنے لگا۔
مہر النساء کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا' مہر النساء اسے اندر لے آئی تھی۔ صفدر اسے اپنی بدحالی کی کہانی سنانے لگا تھا۔ چوہدری سراج علی کے آدمی اسے لے گئے تھے بہت مار پیٹنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا ملتا تھا' زندگی ایک دم صفدر پر عذاب بن کر اتری تھی۔ وہ اس وقت کو پچھتانے لگا جب اس نے گاؤں آنے کا سوچا تھا' نجانے زیب النساء کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ وہاں کئی ماہ قید رہا تھا۔
جسمانی طور پر اس کے اندر اتنی کمزوری غالب آ چکی تھی کہ اس کی ساری اکڑ' سارا کروفر اور لالچ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ دن رات کھانا لانے والے سے منتیں کرتا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے نکال دے ورنہ وہ مر جائے گا' قید تنہائی نے اسے بالکل مفلوج کر دیا تھا اور پھر شاید چوہدری کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لگوائے تھے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا' علم بھی نہ تھا کہ وہ کیسے کاغذات ہیں۔ بس رہائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا اور پھر چوہدری کے کارندوں نے اسے وہاں سے نکال کر ایک سنسان اور ویران جگہ پر پھینک دیا تھا۔
اس وقت وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا' کچھ لوگوں کو اس پر ترس آیا وہ اسے اٹھا کر ایک اسپتال لے گئے تھے کچھ عرصہ اس کا علاج چلتا رہا تھا۔ کچھ کھانے کو ملا تو جسم میں قوت پیدا ہونے لگی اور پھر ایک دن اسپتال والوں نے اسے فارغ کر دیا تو وہ اپنے کرائے کے گھر میں گیا تھا وہاں کوئی اور لوگ آباد تھے۔ مکان کا مالک گھر کا تالا توڑ کر وہاں کچھ اور لوگوں کو بسا چکا تھا وہ وہاں سے نامراد ہو کر مہر النساء کی طرف آیا تھا۔ مہر النساء ساری کہانی سنتے کئی بار روئی تھی۔
"ابا تمہارے لالچ اور تمہاری بُری عادتوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔" وہ شدت سے رو دی۔
"زیبن کہاں ہے؟" صفدر نے پوچھا تو مہر النساء نے تلخی سے باپ کو دیکھا۔
"وہ تمہارے لالچ کی بھینٹ چڑھ گئی۔" صفدر نے ناسمجھی سے دیکھا۔ "پانچ ماہ پہلے وہ مر گئی' دکھوں اور غموں نے اس کو نگل لیا۔ شوہر کی بے وفائی اور تمہارے لالچ نے اسے جیتے جی مار دیا تھا۔"

''زیبن مرگئی......'' وہ بڑبڑایا۔
''وہ مری نہیں تھی' تم نے اسے مار ڈالا تھا' اماں نے چوہدری کی شرافت دیکھ کر اس کا نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ کے ظلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔'' وہ روتی رہی۔
''اور اس کا بچہ کہاں ہے؟'' صفدر کا ذہن کہیں اور تھا' مہرالنساء رو رہی تھی جبکہ صفدر کی آنکھوں میں نمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مہرالنساء نے بہت کرب سے باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔



''تم جس کام کے لیے لائی ہو وہ کرو' جو کہنا ہے وہ کرو لیکن میں یہاں نہیں رکوں گی۔'' اناکا خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا' وہ جتنی بھی بہادر اور باہمت ہوتی لیکن جیدی جیسے لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگا تھا' کاشفہ مسکرائی تھی۔
''جیدی تو محض ایک ڈراوا ہے تمہارے لیے' تمہارے لیے تمہاری عزت تمہارا کردار تو بہت اہم ہوگا اور یقیناً تم اس پر کوئی حرف بھی نہیں آنے دینا چاہوگی' ہے نا۔'' انا نے لب بھینچ کر بہت ضبط سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔
''کیا چاہتی ہو؟''
''ولید کو؟'' وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔
''تو اس کے پاس جاؤ' مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔''
''وہ تم سے محبت کرتا ہے اور میں جان چکی ہوں جب تک تم درمیان میں موجود ہو وہ میری طرف مائل نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔
''تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔
''سارا قصور ہی تمہارا ہے' تم اگر چاہو تو ولید میری طرف آسکتا ہے۔'' انا کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔
''کیا تم پاگل ہو؟ میں بھلا کیسے کسی کو کسی دوسرے کے ہونے پر مجبور کرسکتی ہوں۔''
''تم کیسے کرتی ہو یہ تمہارا ہیڈک ہے۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔
''مجھے ہر حال میں ولید چاہیے۔'' وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔
''ولید بازار میں بکتی کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں پسند آجائے تو تمہیں دے دوں۔''
''شٹ اپ۔'' انا کے الفاظ پر وہ پھنکاری تھی۔
''اگر تم میری بات مانتی ہو تو ٹھیک ورنہ جیدی کو تم جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا خوب آتا ہے۔'' کاشفہ نے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اسے ڈرانا چاہا تھا' انا کے اندر ایک دم شدید طوفان اٹھنے لگے تھے۔
وہ ڈرنے اور ہارنے والی لڑکی نہ تھی اور اب جبکہ سب کچھ کلیئر ہوچکا تھا۔ ولید کی ذات' اس کا کردار اس کی پوزیشن سب کچھ صاف ہوچکا تھا تو وہ بھلا کیوں ڈرتی لیکن کاشفہ کے ساتھ کھڑا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا انا کے اندر شدید لہریں اٹھی تھیں۔
''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کاشفہ کے ساتھ یہاں تک آنے کی ایک سنگین غلطی کرچکی تھی۔ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کو دبائے خاموشی سے کاشفہ کا موقف سن لے۔
''یہاں میرے ساتھ ایگریمنٹ پر سائن کرو کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور اسے خود سے تنفر کرنے کی کوشش کروگی۔'' کاشفہ کی بات سن کر وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔
''میں کیوں سائن کروں؟ ولید کوئی بے جان چیز نہیں ہے جس کے لیے تم مجھے دھمکاؤ' تمہیں ولید چاہیے تو خود کوششیں کرو۔''
''وہ کبھی نہیں آئے گا جب تک تم کوشش نہیں کروگی۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
''ایم سوری میں سائن نہیں کروں گی۔'' اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔
''اوکے اب پھر جیدی تمہیں ہینڈل کرے گا' تمہارا دماغ ٹھکانے آجائے تو بتا دینا میں آجاؤں گی۔'' جیدی کو کہہ کر وہ جانے لگی تھی انا ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔

''تم پاگل ہو وہ شخص تم سے اگر محبت نہیں کرتا تو میں بھلا اسے زبردستی کیسے تمہاری زندگی میں داخل کرسکتی ہوں۔'' وہ خوف سے چلائی تھی۔

''تمہارے پاس دو آپشن ہیں بالکل اسی حالت میں جس میں تم آئی ہو واپس جاتی ہو یا میرے ساتھ ایگری منٹ کرتی ہو۔'' انا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

''میں ایگری منٹ نہیں کروں گی۔'' انا نے سختی سے کہا تھا۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی' جیدی کیری آن۔'' کاشفہ لڑکے کو اشارہ کرتے اپنی دوست کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی تھی' انا کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

''سنو کاشفہ! تم اچھا نہیں کررہیں' تم کیوں کررہی ہو ایسا' ولید کو بھلا میں کیسے خود سے دور کرسکتی ہوں۔'' وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن کاشفہ اور اس کی دوست دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں۔

''کاشفہ...... کاشفہ......'' انا بھی پیچھے بھاگی تھی لیکن جیدی نامی لڑکے نے فوراً درمیان میں آکر اس کا رستہ روک لیا تھا۔ جیدی کو دیکھتے انا کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا' اس نے اس لڑکے کو دھتکارتے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کاشفہ باہر سے دروازہ بند کرچکی تھی۔ انا دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی لیکن دروازہ بند ہوچکا تھا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔



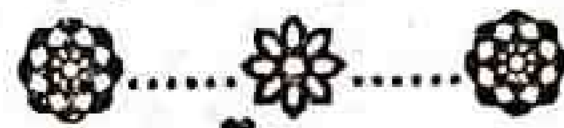
حیات علی کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا کچھ دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کی بعد زندگی نے موت کو شکست دی تو علم ہوا کہ جسمانی توڑ پھوڑ نے ان کو بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اُڑ کر پاکستان پہنچنا چاہتے تھے ڈاکٹروں کے ہاتھوں خود کو بے بس دیکھ کر نڈھال سے ہونے لگے تھے۔ نہ پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی بابا صاحب حادثے کی خبر سن کر فوراً آپہنچے تھے۔ زبیدہ کا بھائی ان سب کے مزید قیام کا بندوبست کرنے لگ گیا تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے لگے تھے۔ جسم کے ٹوٹے حصے جڑنے میں مہینوں لگ جانے تھے' بابا صاحب ایک ماہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ زبیدہ اور بچے وہیں تھے' بچوں کی تعلیمی مصروفیات کا حرج ہورہا تھا۔ زبیدہ کے بھائی نے ان کے اسکول کا بندوبست کردیا تھا' دو ماہ بعد وہ گھر شفٹ ہوگئے تھے ابھی بھی بستر پر تھے۔ زبیدہ خوب خدمت کررہی تھی' کبھی کبھار ان کے اندر زبیدہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شدید ندامت ہونے لگتی تھی۔ انہیں زیبن بہت یاد آتی تھی' نجانے وہ کس حال میں تھی اب تو اس کی گود میں ان کی اولاد بھی موجود ہوگی۔ پتا نہیں بیٹا تھا یا بیٹی' بابا صاحب زیبن کی خبر گیری کرتے ہوں گے یہ ناممکن سی بات تھی۔

اور پھر وہ سنبھلنے لگے تھے ان کے بچے اسکولز میں پڑھ رہے تھے وہ بھی بتدریج بہتر ہورہے تھے۔ پورا ایک سال ان کا ٹریٹمنٹ چلا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہوگئے تھے بغیر کسی لڑکھڑاہٹ کے چل پھر سکتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا حرج ہونے کا خدشہ تھا لیکن وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا صاحب سے واپس پاکستان آنے کی بات کی تھی پہلے تو وہ ٹالتے رہتے تھے اور پھر ایک دن انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ زبیدہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہوجانے کا کہہ کر جانے سے انکاری تھی سو سب کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس آگئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے بخش دین کا پوچھا تو علم ہوا کہ وہ تو چند ماہ پہلے حویلی چھوڑ کر اپنا خاندان لے کر چلا گیا تھا' کہاں؟ کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔ وہ شہر گئے تھے زیب النساء کا کوئی پتا نہ تھا اور پھر وہ مہر النساء کی طرف بھی گئے وہ بھی ملنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور اس کا چوکیدار بھی لاہور میں تھا ورنہ شاید اس سے ہی کوئی خبر مل جاتی۔ وہ چند دن پاگلوں کی طرح نڈھال گھومتے رہے اور پھر تھک ہار کر حویلی واپس لوٹ آئے تھے۔ اس رات وہ اپنے بستر پر دراز تھے زیبن نجانے کہاں گم ہوچکی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پھر مہر النساء کے پاس جائیں گے اور زیب النساء کا پوچھیں گے' پاکستان سے باہر جانے سے پہلے وہ جب زیب النساء سے ملنے آئے تھے تو زیب النساء مہر النساء کے گھر میں تھی یقیناً اب بھی ادھر ہی ہوگی' ان کے دل کو یقین سا تھا۔

اگلی صبح وہ پھر تیار ہوکر شہر کے لیے روانہ ہونے والے تھے جب بابا صاحب نے ان کو بلوالیا تھا۔ وہ ان کے پاس آئے تو

انہوں نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ان کی طرف بڑھائے تھے۔
"یہ کیا ہے؟"
"دیکھ لو۔" حیات علی نے ان کو گھورا اور اس پر لکھی تحریر دیکھی تو چونک گئے۔
"یہ..... یہ....." حیات علی نے حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔
"چند ماہ پہلے صفدر خود تمہارا پتا کرنے ادھر آیا تھا' صفدر کو تو تم جانتے ہوگے' تمہاری وہ نام نہاد شہرن بیوی کا باپ۔" بابا صاحب کے لہجے میں اب بھی وہی تنفر اور نفرت کا ریلا تھا۔
"جب علم ہوا کہ تم یہاں نہیں ہو تو تمہاری حالت کا سن کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس گھر سے لے کر جانا چاہتا تھا۔ مجھے بھلا کیا فرق پڑتا تھا لیکن مجھے تمہارا خیال تھا کہ تم باپ کو غلط نہ سمجھنے لگو۔ ثبوت کے طور پر یہ تحریر لکھوالی تھی یہ اس کے انگوٹھے بھی موجود ہیں اس پر۔" حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔
"کچھ بتایا کہ وہ کہاں لے کر جارہا تھا زیبن کو۔" یہ سب سن کر حیات علی کے دل کو مزید پتنگے لگ گئے تھے۔
"مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔" انہوں نے کندھے اچکائے تھے۔ حیات علی نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا' آنکھوں میں شکایت' گلہ اور اذیت نجانے کیا کچھ تھا۔
صفدر ایک جواری' بدقماش اور نشہ باز انسان تھا' نجانے وہ زیبن کو لے کر کہاں گیا تھا۔ وہ نڈھال سے پلٹ آئے تھے۔ وہ اس دن شہر کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے چند دن گزرے تو پھر دل میں خیال آیا کہ ضرور مہر النساء کو تو بہن کا علم ہوگا۔ ان کے اندر ہمت بڑھی تھی وہ اسی وقت شہر کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ وہ کچھ گھنٹوں کے بعد پھر مہر النساء کے گھر کے سامنے تھے انہوں نے چوکیدار سے مہر النساء سے ملنے کا کہا تھا۔ چوکیدار کا دل تو مانا ہی نہ تھا لیکن پھر کچھ پیسے دینے پر اندر چلا گیا تھا۔
"بیگم صاحبہ کہتی ہیں وہ کسی حیات علی کو نہیں جانتیں' آئندہ یہاں مت آئیے گا ورنہ پولیس کو بلوالیں گی۔" حیات علی کچھ دیر کھڑا رہا تھا' وہ چوکیدار کی منتیں کرتا رہا تھا کہ وہ ایک بار مہر النساء سے ملوادے لیکن چوکیدار بھی مجبور تھا' نہیں مانا تھا۔ مجبوراً ناامید ہی وہاں سے پلٹنا پڑا تھا اس نے سوچا کہ وہ کل پھر آئے گا شاید مہر النساء کو اس پر ترس آ ہی جائے۔



جیدی انا کی طرف بڑھا تو وہ مارے خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔
"ڈونٹ ٹچ می۔" وہ چیخی تھی۔
"آپشنز تو تمہیں کاشفہ نے دیئے تھے اگر قبول کرلیتیں تو مجھے برداشت نہ کرنا پڑتا۔" وہ خباثت سے مسکراتا انا کی طرف بڑھا تھا' انا کا مارے خوف کے برا حال تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے ہوش ہوکر گر پڑے گی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کہ انا کا بازو پکڑنا چاہا تھا انا ایک دم ہاتھ جھٹک کر دوسری طرف بھاگی تھی۔
"دروازہ بند' کھڑکیاں بند..... کہاں تک بھاگو گی۔" وہ مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔ انا نے اضطرابی کیفیت میں اردگرد دیکھا تھا شاید اپنے بچاؤ کے لیے اسے کمرے میں کوئی چیز مل جائے لیکن وہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں شاید بہت سوچ سمجھ کر اس کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔
"دیکھو میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو مجھے۔" وہ کسی کے سامنے بھی نہ ہارنے والی لڑکی اس بدفطرت انسان کے سامنے ایک دم ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی تھی۔
"میں کاشفہ سے پیسے لے چکا ہوں' تمہارا اور اس کا معاملہ سیٹ ہوجاتا تو ٹھیک لیکن اب میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔" وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا' انا کو اپنا آپ ایک گہری دلدل میں گرتا محسوس ہورہا تھا' آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔
کاشفہ نے انتہائی گھٹیا چال چلتے اسے زیر کرنا چاہا تھا اور اپنی شکی فطرت کے سبب وہ کتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی موت آجائے یا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے ایسے ایک دم اپنے آپ سے کراہیت اور شدید نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی بداعتمادی کے سبب آج اپنے لیے جہنم خرید چکی تھی۔

"پلیز مجھے چھوڑ دو پلیز......" وہ اس کے سامنے سسکنے لگی تھی۔

"اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں میں تمہیں چھوڑتا ہوں تو خود پھنستا ہوں ویسے بھی تم جیسی لڑکی کو کون کافر چھوڑ سکتا ہے بھلا۔" وہ خباثت سے مسکرایا انا نے ایک دم گھبرا کر در و دیوار کو دیکھا۔

"دیکھو ہونا تو وہی ہے جو ہم طے کر چکے ہیں اس لیے بھاگنے کی بجائے میرے ساتھ تعاون کرو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔" وہ اس کے قریب آ کر پھر کہہ رہا تھا انا وحشت سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کمرے کی حدود میں اپنا بچاؤ کرنا ناممکن سی بات تھی۔

"میں کاشفہ کے ساتھ ہر طرح کی ڈیل کرنے کو تیار ہوں تم اسے بلوا دو پلیز۔" ایک دم سسکتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

وہ شدت سے رو رہی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا وہ شخص بے اختیار مسکرایا تو انا ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کھسکی تھی۔

"بڑی جلدی لائن پر آ گئی ہو تم یہی بات جب تم سے کاشفہ نے کہی تھی تب تو تم مانی ہی نہ تھی۔" وہ روتی رہی تھی۔ اس شخص نے ایک بھرپور نظر انا پر ڈالی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کے وجود سے چادر سرک کر صرف ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ بغیر کسی بناوٹ کے بالکل بے ریا چہرہ خوب صورتی میں وہ بہت کمال تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا تھا۔

"ہاں مان گئی ہے وہ۔" نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ ایک دم ہنسا تھا۔

"لڑکی ہے تو بہت خوب صورت چھوڑنے کو دل تو نہیں کر رہا۔" انا سمٹ سی گئی تھی۔

"اوکے......اوکے......" "تم آ جاؤ پھر اب خود دیکھ لو۔" اس نے کہہ کر پھر انا کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے وجود پر دوبارہ چادر درست کی تھی۔

"لگتا ہے کافی اونچے گھرانے سے ہو ورنہ کاشفہ اور ایسے معاملات سے گھبرا جائے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کاشفہ نے محض تمہیں ڈرانے دھمکانے کو میرا استعمال کیا ہے ورنہ تم چھوڑ دینے والی لڑکی تو نہیں ہو۔" اس نے قریب آ کر پھر انا کے چہرے کو چھونا چاہا تھا وہ فوراً سائیڈ پر سرک گئی تھی کچھ دیر میں کاشفہ اور اس کی دوست واپس آ گئی تھیں۔

"تم جاؤ۔" جیدی کو کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سسکتی ہوئی انا کی طرف بڑھی تھی۔

"خوش قسمت ہو جو مجھے تم پر ترس آ گیا ورنہ تو میں نے طے کر رکھا تھا تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ تمہاری ویڈیو دیکھ کر نہ صرف ولید تم سے نفرت کرنے لگتا بلکہ ساری دنیا میں تم بدنام ہو جاتیں۔" جیدی کے جانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تھا۔ انا کا جی چاہا کہ اس کے پاس کاش کوئی چیز ہو اور وہ اس لڑکی کو قتل کر ڈالے۔

وہ اس وقت اپنی زندگی کے بھیانک ترین لمحوں کو گزار رہی تھی اور کسی طرح ان لڑکیوں کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسے ان کے ساتھ آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور اگر وہ شام تک گھر نہ پہنچتی تو......نئی سوچوں اور نئے تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا۔

"تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ انا کو لگا اس کے دل پر ہی نہیں سارے وجود پر آری چل گئی ہو۔

"تم کو ہمارے ساتھ دو ایگری منٹ سائن کرنا ہوں گے۔" کاشفہ نے اپنے پرس کی جیب سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے لہرائے تھے۔ "یہ ایگری منٹ میرے لیے ہوگا۔" اس نے ایک ایگری منٹ انا کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ "اس میں درج ہے کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اسے اپنی طرف سے بدظن کر کے میری طرف راغب کرو گی۔ ولید اور اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں کہو گی اگر کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو تمہاری یہ ویڈیو ساری دنیا میں پھیلا دوں گی اور اگر زیادہ ہوشیاری کرنے کی کوشش کی اور ہمیں دھوکہ دیا تو اس بار ٹارگٹ تمہاری فیملی اور ولید بنے گا۔ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" انا نے انتہائی بے بسی سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

"تمہارا باپ اور بھائی سارا دن آفس ہوتے ہیں ولید کا باپ بیمار رہتا ہے۔ تمہاری بھاوج گھر میں اکیلی ہوتی ہے تمہاری ماں مغرب کے بعد بوتیک سے لوٹتی ہیں۔ ہمیں سب کی روٹین کی خبر ہے سمجھ لو تم نے کسی سے کچھ کہا یا واپس جا کر کوئی ہوشیاری کی

توان سب میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھوبیٹھوگی۔'' کاشفہ اسے دھمکارہی تھی۔

''ویسے بھی تمہیں اپنی فیملی بہت پیاری ہے ان پر حرف تو کبھی نہیں آنے دوگی اور سب سے بڑھ کر ولید ضیاء اس کی زندگی کی خاطر تو تمہیں یہ سب کرنا ہی ہوگا۔'' وہ مسکرائی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اسی لمحے کھڑے کھڑے مرجائے۔ وہ اپنی بداعتمادی اور شکی فطرت کے سبب آج کس دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی؛ جہاں صرف موت ہی موت تھی۔

''اور اس پر تم خود لکھوگی۔'' اس نے دوسرا کاغذ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے ایک قلم نکال کر اسے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا' انا بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''لو اس پر لکھو۔'' اس نے اسے لکھنے کے لیے ایک پیڈ دیا تھا جس پر کاغذ رکھ کر لکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کیا لکھوں؟'' وہ بالکل ان کے شکنجے میں پھنس چکی تھی اس وقت ذہن بالکل مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکلنا چاہتی تھی' اپنی زندگی سے زیادہ اسے اب اپنی عزت کی پروا تھی اور وہ چاہے اب اس آزادی کے لیے کچھ بھی کرتی اس نے اپنے ذہن کو اس ایگری منٹ کے لیے ایک دم تیار کرلیا تھا۔

''میں انا وقار خود کاشفہ کے ساتھ آئی ہوں' میرے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔'' انا نے بہت دکھ سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

''یہ کیوں لکھوا رہی ہو جبکہ دوسرے پر سائن کرواؤ گی تو؟''

''میری بھولی بھالی چندا' یہ اس لیے لکھوا رہی ہوں کہ اگر تم ڈیل کراس کرنے کا سوچو بھی تو تمہیں یاد رہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمارے حوالے کرچکی ہو۔'' وہ طنز سے گویا ہوئی تھی۔

''تم اگر ہمیں پھنسانے کی کوشش کروگی تو پھر ہمارے پاس بھی کچھ پروف تو ہوگا نا۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس نے چند اور لائنز بھی لکھوائی تھیں اور پھر دونوں کاغذات پر دستخط کروالیے تھے' دستخط ہوتے ہی انا ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔

''تمہارا کام ہوچکا ہے مجھے اب جانا ہے۔''

''اتنی جلدی کیا ہے چھوڑ آئیں گے تمہیں' ابھی کچھ دیر بیٹھو اور بھی بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔'' اسے دوبارہ کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے کاشفہ نے کہا تو انا ایک دم بپھر اٹھی تھی۔

''میں سب کچھ لکھ کر دے چکی ہوں' سب کچھ...... میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے' مجھے شام سے پہلے ہر حال میں اپنے گھر پہنچنا ہوگا۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''کول ڈاؤن' جذباتی مت ہو' زیادہ بولنے کی کوشش کی تو یہاں سے نکلنے والی بات کو خواب سمجھ کر پھر بھول جانا' جب مجھے مناسب لگا میں چھوڑ دوں گی۔''

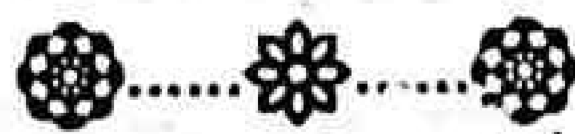
''یو بلڈی...... تم میرے ساتھ دھوکہ کررہی ہو۔'' وہ چیخنے لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے شدت سے گھر اور سب لوگ یاد آرہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند پل اور ادھر رہی تو پاگل ہوجائے گی۔

''شٹ اپ۔ آرام وسکون سے بیٹھ جاؤ جب میرا دل چاہے گا میں چھوڑ دوں گی۔'' وہ تنفر سے کہہ کر جانے لگی تھی۔

''تم ایسا نہیں کرسکتیں کاشفہ!'' انا نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا جواباً کاشفہ نے کھینچ کر اسے تھپڑ مارا تھا' انا لہرا کر بستر پر گری تھی۔

''اب زیادہ بک بک کی تو جیدی کو بلوا کر تمہارا دماغ سیدھا کروادوں گی۔'' وہ بے رحمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ دروازہ لاک ہوگیا تو انا ایک دم سسک اٹھی تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

''کاشفہ اسے یہاں سے جانے بھی دے گی یا نہیں۔''



صفدر دو تین بار صفیہ آپا کے ہاں آیا تھا' فیضان کریم کے اندر عجیب عجیب سے خیالات گردش کرنے لگے تھے لیکن ہر بار اپنے دل و دماغ کو پرسکون کیا تھا وہ پہلے ہی اپنی لالچی فطرت کے ہاتھوں بہت اذیت بھری زندگی گزار چکا تھا۔ اسے واپس آئے دو ماہ ہوچکے تھے وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔

اس دن وہ مہرالنساء سے ملنے آیا تھا' اب مہرالنساء پر اس کے شوہر کی طرف سے اتنی سختی نہ رہی تھی چوکیدار مہرالنساء کے کہنے پر صفدر کو آنے جانے دیتا تھا۔ وہ مہرالنساء کے پاس دو تین گھنٹے گزار کر باہر نکلا تو ٹھٹک گیا' حیات علی اپنی گاڑی سے نکل رہا تھا' وہ بھی صفدر کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

''تم......''

''کہاں ہے میری زیب النساء؟'' وہ صفدر پر چیل کی طرح جھپٹا تھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہوجائے گا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' صفدر ایک پل میں جان چکا تھا کہ حیات علی زیب النساء کی وفات کی خبر سے لاعلم ہے۔

''اس کو اندر بٹھاؤ بات کرتا ہوں اس سے اچھی طرح۔'' ڈرائیور ساتھ تھا' اس نے کمزور سے صفدر کو منٹوں میں قابو کرلیا تھا۔ مہرالنساء کا چوکیدار خاموشی سے بس دیکھ رہا تھا۔ حیات علی صفدر کو لے کر اسی گھر میں چلا آیا تھا جس میں وہ شادی کے بعد زیبن کے ساتھ رہتا تھا۔

''مجھے کچھ خبر نہیں۔'' صفدر کا وہی بیان تھا۔

''تم نے اگر مجھے سچ نہ بتایا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ باقی ساری زندگی تم بھیک مانگتے گزاردو گے۔''

''زیب النساء میرے ساتھ ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے ایک۔'' حیات علی کی حالت دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ وہ زیبن کے متعلق کس قدر پریشان ہے۔ سو صفدر نے بھی سوچا کہ اچھا موقع ہے' زندگی ایک بار پھر مہربان ہوسکتی تھی اگر وہ تھوڑی سی عقل استعمال کرلے تو۔

''میرا بیٹا بھی ہے۔'' صفدر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ ''کہاں ہیں وہ دونوں؟'' حیات علی دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک دم بے قرار ہوگیا تھا۔

''ایسے نہیں بتاؤں گا چاہے جان سے بھی ماردو۔''

''تو......؟''

''خرچہ کرنا پڑتا ہے چوہدری صاحب! آپ تو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد اب تک زیبن اور اس کے بچے پر اتنا خرچہ کرتا رہا ہوں۔''

''میں نے بخش دین کے ہاتھ زیبن کو ایک بڑی رقم بھجوائی تھی۔''

''آپ کا باپ آپ کے جانے کے بعد آیا تھا' گھر سے نکال دیا تھا اس نے' گھر سے ایک چیز بھی لینے نہیں دی تھی۔'' صفدر بھرا بیٹھا تھا۔

''تم خود بابا کی اجازت سے لے کر گئے تھے زیبن کو۔'' صفدر ہنسنے لگا تھا۔

''بڑا سیاسی باپ ہے تمہارا' ایک تیر سے دو شکار' سانپ بھی مرگیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔''

''بکواس بند کرو صاف بتاؤ زیبن کہاں ہے؟''

''کم از کم کچھ لیے دیئے بغیر تو نہیں بتاؤں گا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''ٹھیک ہے سب کچھ دوں گا جو مانگو گے پہلے زیب النساء کا بتاؤ۔''

''نہ صاحب' نشئی ہوں' جواری ہوں لیکن کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو والا معاملہ ہوگا۔'' اس نے صاف رکھائی سے کہا تھا۔ حیات علی اندر گیا تھا اور پھر ایک پیسوں سے بھرا لفافہ لا کر صفدر کے منہ پر مارا تھا' صفدر اتنی بڑی رقم دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا' یہ تو اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

''اب بتاؤ کہاں ہے زیب النساء؟'' اتنی ساری رقم دیکھ کر صفدر کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

''میرے ساتھ چلو گے اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے۔'' رقم کو جیب میں منتقل کرتے وہ پرسکون تھا۔

''ہاں ابھی چلو۔'' صفدر مسکرادیا۔ وہ گاڑی میں آبیٹھا تھا کافی لمبا چوڑا سفر طے کرتے وہ جس علاقے میں پہنچے تھے وہ ایک

انتہائی گندی' خستہ حال نئی آبادی بستی تھی۔

"تم نے اس علاقے میں زبین کو رکھا ہوا تھا۔" جھکیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حیات علی کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"چوہدری صاحب غریب بندہ آپ جیسی حویلی نہیں بنوا سکتا' مجبوری تھی۔" حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انہیں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے سامنے لے کر آیا تھا۔

"یہاں کسی کے ساتھ رہتا ہوں صاحب! تم رکو میں زیب النساء اور اس کے بیٹے کو لاتا ہوں۔" وہ کہہ کر ٹاٹ کا پردہ کھسکا کر اندر چلا گیا تھا۔ حیات علی شدت سے ان لوگوں کا منتظر تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا تو وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی اندر سے ایک ادھیڑ عمر برآمد ہوئی تھی۔

"صفدر کو کہیں جلدی آئے۔"

"صفدر تو کب کا جا چکا ہے۔" عورت نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

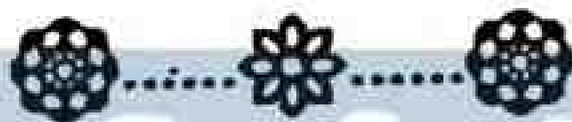
"کیا مطلب؟"

"اس نے ہمارے کچھ پیسے دینے تھے' وہ دیئے اور چلا گیا۔"

"کیسے' ہم تو ادھر کھڑے تھے۔"

"گھر کا دوسرا دروازہ دوسری طرف کھلتا ہے ادھر سے نکلا تھا۔" حیات علی کا شدت سے جی چاہا کہ صفدر ایک پل میں اس کے سامنے آ جائے تو وہ اسے شوٹ کر دیں۔

وہ بڑے نامراد واپس لوٹے تھے' پیسہ جانے کی انہیں فکر نہ تھی لیکن زیب النساء اور اپنے بیٹے کی گمشدگی نے انہیں بالکل نڈھال کر ڈالا تھا۔



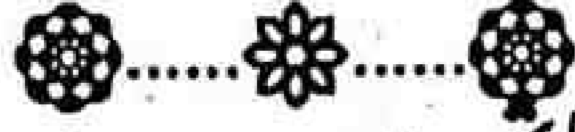
رات کے آٹھ بجے تو کاشفہ کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ وہ اسے نجانے کیا کیا دھمکیاں دیتی رہی تھی اور انا بالکل بے حس ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک جذباتی' جنونی اور اعتماد کی کمی سے محروم لڑکی تھی لیکن اس کے کردار کا فخر ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ جو اب مٹی میں مل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے اور اب تک کیا کچھ سوچ چکے ہوں گے۔ وہ بہت خوف زدہ ہو چکی تھی' بظاہر وہ باعزت واپس جا رہی تھی لیکن ایگری منٹ کی صورت وہ اپنے ہاتھ کاٹ کر کاشفہ کے حوالے کر چکی تھی۔ کاشفہ کا پاگل پن دیکھ کر وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ کاشفہ کے ساتھ کوئی بھی غلط بیانی یا دھوکہ دہی تو وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

کاشفہ اور اس کی دوست اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر تک کا رستہ اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں اور ولید کی زندگی بہت عزیز تھی۔ کاشفہ کی دھمکیاں بدستور اس کے ساتھ تھیں اور وہ واقعی اس کی دھمکیوں سے ڈر گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ گھر والوں کو سچ بتا دے کم از کم صبوحی کو تو بتا دے لیکن ہر بار کاشفہ کی وہ ویڈیو والی دھمکی یاد آتی تو وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ ولید کو دیکھتی تھی تو دل پھٹنے لگتا تھا اور پھر اس نے وہ سب کرنا شروع کر دیا تھا جو کاشفہ چاہتی تھی۔

حماد اتفاقاً اس کی زندگی میں آیا تھا' انا کو لگا اسے سانس لینے اور بچ نکلنے کے لیے کوئی رستہ مل گیا ہے اور پھر اس نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ ولید' پاپا' ماما سب کی نظروں میں بُری بن گئی تھی۔ پاپا اسے حماد کے ساتھ رخصت کرنے پر تیار ہو چکے تھے لیکن ولید کو دیکھتی تھی تو دل کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جائے۔ روشی اور ولید اس کے بارے میں مشکوک ہو رہے تھے اور وہ خوف زدہ تھی کہ اگر کسی کو علم ہو گیا تو نجانے وہ سب کیا سمجھیں؟ وہ بدکردار نہیں تھی لیکن کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ اپنا سب کچھ برباد کر چکی تھی۔

وہ اب خود کو ولید کے قابل نہیں سمجھتی تھی' اس نے ہمیشہ اسے شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ کبھی کیتھی اور کبھی کاشفہ وہ تو اس کو نجانے کیا کیا سمجھتی رہی تھی اور اب ہر بات کھل جانے پر اس کے وا ہمے اس کا منہ چڑاتے تھے تو وہ شرم سے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔

اس نے ولید اور وقار صاحب کو خود سے بدظن کردیا تھا۔ اس کا کھیل بالکل ٹھیک جا رہا تھا لیکن اب یہ اچانک ولید کا ایکسیڈنٹ ہوجانا اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید کو کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کی کوشش کررہی تھی اسے اب زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر خود بھی حوصلہ ہار چکی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہ کہتی حرف بحرف شہوار کے سامنے دل کا درد کہتی چلی گئی تھی اور شہوار بے یقینی سے سب سنتی حیرت سے گنگ بالکل پتھر بن چکی تھی۔ اتنا کچھ ہوچکا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی' وہ بے یقین تھی۔



صفدر چھپتا پھر رہا تھا اسے حیات علی سے جو رقم ملی تھی وہ آنے والے دنوں میں اس کے بہت کام آنے والی تھی۔ وہ ایک دن صفیہ آپا کو گھر آیا تھا' فیضان سو رہا تھا۔ صفیہ آپا تو بازار سے کچھ سودا لانا تھا' وہ اسے فیضان کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ صفدر کے دل میں نجانے کیا سمائی تھی اس نے خاموشی سے سوتے ہوئے فیضان کو اٹھایا اور گھر سے نکل گیا تھا۔

صفیہ آپا گھر آئیں تو کھلے دروازے کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ صفدر اور فیضان دونوں غائب تھے وہ تو دونوں کو نہ پا کر ایک دم ڈھے گئی تھیں' مہرالنساء کو خبر کی تھی وہ فوراً آ گئی تھی۔ وہ باپ کی اس حرکت پر شرمسار ہورہی تھی۔ بہن کے بعد اب اس کے بیٹے کے چھن جانے پر وہ غم زدہ تھیں' شوہر کا خوف تھا وہ چند گھنٹے تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

صفیہ آپا کا دل غم سے پھٹ رہا تھا' فیضان کے وجود نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل بیٹوں کی طرح چاہا تھا۔ ان کی ممتا فیضان کے وجود سے سیراب ہوئی تھی۔ بہت دن تک ان کی آنکھ نم اور دل غم زدہ رہا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے دل کو قرار آنے لگا تھا لیکن فیضان کی بھولی بھالی معصوم صورت یاد آتی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے۔

صفدر فیضان کو لے کر اپنے نشئی دوستوں کے پاس چلا آیا تھا جن کے ساتھ وہ کچھ عرصے سے رہ رہا تھا۔ بچے کو سنبھالنے کا اسے کوئی خاص تجربہ نہ تھا نتیجتاً فیضان بیمار رہنے لگا تھا' صفدر صرف حیات علی کو بلیک میل کرنے کے لالچ میں فیضان کو اٹھا لایا تھا لیکن اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فیضان اور اس کی بیماریوں سے اکتانے لگا تھا۔

دوسری طرف حیات علی نے کچھ عرصہ صفدر کو تلاش کیا تھا مہرالنساء کے گھر کے بھی چکر لگاتا رہا کئی بار اس کے شوہر سے ملاقات ہوئی تھی کوئی بھی اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔ مہرالنساء تو حیات علی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی اور پھر بابا صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح زیبن کے لیے خوار ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ زبیدہ اور بچے ابھی بھی باہر تھے' بچے وہیں زیر تعلیم تھے۔ بابا صاحب کو اس سارے مسئلے کا بس یہی حل دکھائی دیا کہ بچوں اور زبیدہ کو مستقل وہیں سیٹل کروادیں شاید اس طرح حیات علی بھی سنبھلنے لگے اور زیبن اور اس کے بچوں کو بھول بھال جائے اور پھر دل کے مجبور کرنے پر وہ ایک بار پھر مہرالنساء کے پاس آئے تھے اور شاید قدرت کو منظور تھا اس بار مہرالنساء اس سے ملنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔

مہرالنساء سے ملنے کے بعد انہیں جو کچھ سننے کو ملا وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے۔ مہرالنساء نے ان کے بابا صاحب اور صفدر کی سازشوں کی تمام کہانی سنا ڈالی تھی۔ زیب النساء کی موت اور پھر بچے کی گمشدگی۔ حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی بالکل ختم ہوچکی ہے' ان کے بابا صاحب اس قدر ظلم بھی کرسکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے' مہرالنساء نے انہیں کچھ رقم لاکر دی تھی۔

''یہ آپ کے باہر جانے کے بعد آپ کا ملازم زیبن کو دے کر گیا تھا' اتنی بڑی رقم گم ہوجانے کے ڈر سے زیبن نے مجھے امانتاً دے دی تھی تب سے میرے پاس تھی۔ فیضان بڑا ہوتا تو اسے دے دیتی اب وہ ہے نہیں میرے بھلا کس کام کی۔'' حیات علی کا دل بھر آیا' زیبن واقعی ایک باکردار نیک دل لڑکی تھی' ان کا دل زخم زخم تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

وہ کتنے بدنصیب تھے اتنی وسیع اراضی کے مالک لیکن ان کی محبوب بیوی ترستے سسکتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ انہوں نے مہرالنساء کو باہر کا ایڈریس لکھوایا تھا اور فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ مہرالنساء بھی جیسے ہر طرح سے تعاون کرنے پر آمادہ تھی' اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی فیضان کی کوئی خبر ملے گی وہ انہیں اطلاع کردے گی اور پھر وہ واپس حویلی پہنچے تھے۔ بابا صاحب سے اس کی شدید لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرتے باہر چلے آئے تھے۔

اپنے سالے کے ساتھ رہنے کی بجائے انہوں نے علیحدہ گھر لے لیا تھا' مہرالنساء کو نیا ایڈریس بھی دے دیا اور پھر زندگی

گزرنے لگی تھی اپنی رفتار اور جون میں۔

وقت کب کسی کے روکے رکتا ہے چار سال پلک جھپکنے میں گزر رہے تھے لیکن حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی جیسے رک سی گئی تھی ان کے اندر ہمیشہ کیلئے خزاں کا موسم ٹھہر گیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے انہیں کفن میں لپٹی زیبن دکھائی دیتی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے۔ یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا اور پھر ان کی راتیں جاگتے گزرنے لگی۔

زبیدہ ان کی حالت دیکھ کر بھی الجھنے لگتی اور کبھی رو پڑتی۔ زیب النساء کی موت کی خبر حیات علی کی زبانی اسے بھی مل چکی تھی دل میں سکون سا جیسے اتر گیا تھا لیکن حیات علی کا رویہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ سال بعد ایک روز ان کو ایک کال موصول ہوئی تھی۔ پاکستان سے آنے والی مہر النساء کی یہ کال انہیں جیسے کسی جمود کے حصار سے باہر کھینچ لائی تھی وہ فوراً پاکستان جانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔

بچے اور زبیدہ بھی ساتھ جانے پر بضد تھے لیکن وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً پاکستان پہنچے تھے۔ وہ مہر النساء کے گھر پہنچے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی مہر النساء جیسے انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ مہر النساء کی بیٹی افشاں بہت پیاری بچی تھی مہر النساء کو شوہر کی سختی اور حالات کے غموں نے کھالیا تھا۔

کچھ دن پہلے دو آدمی آئے تھے وہ اسپتال کے کارندے تھے کب وہ صفدر کی خبر لے کر آئے تھے ایک رات نشے میں دھت صفدر کسی گاڑی تلے آ کر کچلا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی بیماریوں سے نڈھال مہر النساء شوہر کی پروا کیے بغیر اسپتال گئی تھی جہاں باپ کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے صفدر سے مہر النساء نے جب فیضان کا پوچھا تو صفدر نے جو انکشاف کیا تھا مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس کے وجود سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔

صفدر فیضان کو لالچ کی خاطر لے تو گیا تھا لیکن آئے دن فیضان کی بیماری نے اسے اس سے بدظن کر دیا تھا۔ وہ اس سے بے زار ہو چکا تھا صفدر کی ساری زندگی جیسے فیضان کی وجہ سے پابند ہو گئی تھی وہ اب فیصان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتانے لگا تھا۔ وہ حیات علی کے گاؤں نہیں جا سکتا تھا اور حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی ورنہ اسے بلیک میل کر کے اس کا بیٹا اس کے حوالے کر دیتا۔ وقت گزرنے لگا تو فیضان کی بیماری بھی بڑھنے لگی۔ صفدر اس پر پیسہ لگانے سے بھی کترانے لگا تھا وہ واپس آیا صفیہ کے پاس جا کر اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو بلوا کر اسے پولیس کے حوالے نہ کر دے اور پھر ایک رات حیات علی اور اس کے باپ سے انتقام لینے کے لیے فیضان کے وجود سے تنگ آ کر فیضان کو ایک یتیم خانے کے دروازے پر پھینک کر بھاگ لیا تھا۔''

حیات علی مہر النساء کے منہ سے یہ سب سن کر ایک دم کانپ گیا تھا۔

باپ کے زندہ ہونے کے باوجود ان کا بیٹا ایک یتیم کے طور پر پل رہا تھا۔ وہ سسک اٹھے تھے کیسی بے رحم زندگی تھی کیا محبت کرنے کی اتنی کڑوی سزا ہوتی ہے۔

''صفدر نے کچھ بتایا کہ وہ فیضان کو کس یتیم خانے میں چھوڑ کر آیا تھا؟''

''نہیں، ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی اور ڈاکٹروں نے مجھے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا اور پھر جب دوبارہ ابا سے سامنا ہوا تو وہ مر چکا تھا اب اسے مرے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔'' حیات علی کو لگا وہ جیسے پاگل ہو جائے گا۔

مہر النساء کا شکریہ ادا کرتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شہر کے مختلف یتیم خانوں میں جا چکا تھا لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ یتیم خانے والوں نے ان کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کر لی تھیں اور انہیں کچھ دن بعد آنے کا کہا تھا۔ اس دن وہ پھر یتیم خانے آئے تھے وہ آفس میں آئے تو وہاں سامنے بیٹھے جوڑے کو دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

''سبحان اور حاجرہ۔'' ان کے لب ہلے تھے انہوں نے بھی حیات علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔

''تم دونوں یہاں کیسے اور پاکستان کب آئے؟''

''ایک لمبی کہانی ہے تم سناؤ یہاں کیا کر رہے ہو؟'' گلے ملنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے یہاں موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔

''میں......'' حیات علی افسردہ ہو گیا تھا۔ ''مجھے میری قسمت یہاں لے آئی ہے بس، تم کیسے آئے یہاں؟''

"شادی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ہم دونوں اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، بہت علاج کروا دیکھے گھر والے دوسری شادی پر زور دیتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کریں گے یہیں اپنے پاکستان سے بچہ ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"چلو بڑی نیکی کا کام ہے یہ تو اللہ تمہیں اجر دے اس نیکی کا۔" حیات علی نے افسردگی سے کہا تھا۔

"حیات علی صاحب آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے مطابق ہم نے کچھ بچوں کو نکالا ہے آپ دیکھ لیں۔" آفیسر نے کہا تو سبحان نے چونک کر دیکھا۔

"ایک لمبی کہانی ہے، پھر بتاؤں گا آؤ بچوں کو دیکھتے ہیں۔" وہ سبحان کو ساتھ لیے بچوں کو دیکھنے چل دیئے تھے وہاں کچھ بچے تھے ایک بچے کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"یہ جاوید ہے یہ جب ہمیں ملا تھا دو سال کا تھا اسے بھی باہر کوئی ڈال گیا تھا۔" آفیسر انہیں ساتھ ساتھ بچوں کے بارے میں معلومات بھی دے رہا تھا۔

"یہ فیضی ہے، یہ جب ہمیں ملا تھا اس کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ انتہائی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اس کی حالت بہت خطرناک تھی یہ بھی گیٹ پر پڑا ملا تھا۔ ہم نے اس کا علاج کروایا تھا اس کے کپڑوں میں سے ایک کاغذ بھی نکلا تھا جس پر فیضی لکھا ہوا تھا یہ کسی ڈاکٹر کی دکان کی پرچی تھی، ہم نے وہاں سے پتا کروایا تو پتا چلا تھا کہ یہ بیمار تھا اور ایک آدمی اس کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس آیا تھا انہوں نے ایک نسخہ لکھ دیا تھا دوبارہ وہ شخص نہیں آیا تھا۔ اس کے کپڑوں میں سے اس نسخے کے علاوہ دوائیاں بھی ملی تھیں، جیسے کوئی ڈاکٹر کی دکان سے دوا لے کر سیدھا ادھر ہی ڈال گیا ہو۔" یہ وہی بچہ تھا جسے دیکھ کر حیات علی چونکے تھے۔

نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ ہی ان کا فیضان ہے بالکل زبین کی طرح سنہری چمکتی آنکھیں اونچی لمبی کھڑی ناک پتلے ہونٹ اور متناسب پیشانی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے۔

"وہ نسخہ جس ڈاکٹر نے لکھ کر دیا تھا وہ کس علاقے میں ہے۔" حیات علی نے بچے کو ساتھ لگا کر پیار کرتے آفیسر سے پوچھا تھا۔

"آپ دفتر میں چلیں، ہم معلومات دے دیتے ہیں۔" حیات علی نے اس بچے کو پھر پیار کیا تھا۔ دفتر کے عملے نے ایڈریس دے دیا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سبحان کو ساری کہانی سنا ڈالی تھی سبحان بہت دکھی ہوا تھا سب سن کر۔ وہ اسی وقت سبحان اور اس کی بیگم کے ہمراہ اس علاقے میں گئے تھے ان کو ڈاکٹر کا کلینک مل گیا تھا انہوں نے یتیم خانے کا وہ سابقہ ریکارڈ اس ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔

"اس بچے کے بارے میں کچھ لوگ پہلے بھی کچھ معلومات کرنے آئے تھے۔" ڈاکٹر نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہمیں بس اس آدمی کا پتا کرنا ہے جو اس بچے کو لے کر آیا تھا۔"

"وہ آدمی اس کے کافی عرصے بعد پھر دو تین دفعہ میرے کلینک آیا تھا کوئی نشئی تھا اپنا نام صفدر لکھوایا تھا۔ شکل سے غنڈہ ٹائپ لگتا تھا۔ یتیم خانے والوں نے مجھے جب بھی وہ آدمی آئے اطلاع کرنے کو کہا تھا لیکن میں ایک غریب سا آدمی ہوں کلینک ہی سب کچھ ہے۔ میں ڈر گیا تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو میں نے اطلاع نہیں کی تھی۔ اب سے ایک ماہ پہلے بھی میرے کلینک آیا تھا بے تحاشا سگریٹ نوشی نے اس کے گردوں اور پھیپھڑوں کو فیل کر دیا تھا اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔" ڈاکٹر نے جو بھی بتایا تھا حیات علی کو لگا جیسے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا ہے وہ فیضی ہی ان کا فیضان تھا۔ ان کا بیٹا' ان کا لخت جگر۔

"اگر آپ کو صفدر کی تصویر دکھائی جائے تو کیا آپ پہچان لیں گے؟" حیات علی نے پوچھا تو ڈاکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

زبین شادی کے بعد اپنے گھر سے کچھ پرانی تصاویر لے کر آئی تھی جو چند سال قبل کی تھیں وہ ابھی بھی وہیں تھیں باہر جاتے وقت وہ صرف زبین کی تصویریں لے کر گئے تھے صفدر کی تصویریں وہیں الماری میں پھینک دی تھیں' وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے اٹھے تھے۔ وہ گھر گئے الماری میں اب بھی وہ پھٹی پرانی تصاویر موجود تھیں وہ لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس آئے تھے' ڈاکٹر تصویر دیکھ کر الجھا تھا۔

"انیس بیس کا فرق لگ رہا ہے، جو شخص میرے پاس آیا تھا اس کے منہ پر داڑھی بھی تھی صاحب! اور وہ بوڑھا بوڑھا سا تھا جبکہ یہ جوان لگ رہا ہے۔" حیات علی نے پینسل لے کر تصویر کے منہ پر داڑھی بنا دی تھی۔

"ہاں کچھ کچھ ہی لگ رہا ہے بس یہاں آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ ہیں جبکہ وہ جب بھی میرے پاس آیا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔" ڈاکٹر کے بیان کے بعد اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

میں درد کا بیکراں سمندر رہوں کنارا بھی نہیں ملتا بہت مارے گرداب میں ہاتھ پاؤں پر سہارا بھی نہیں ملتا بہت اندھیرا ہے ہر سمت ہے، بہت تاریکیاں ڈھونڈنے سے بھی کوئی جگنو کوئی تارا بھی نہیں ملتا	بہت ڈھونڈیں ہم نے اس میں وفا لیکن یاد رکھنا محبت میں تو بس کبھی گزارہ بھی نہیں ملتا شاعرہ: عزیزہ حنا عباسی نازیہ عباسی ٹھٹھہ

"شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ نے بہت تعاون کیا۔" حیات علی اٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ حیات علی کے گھر آ گئے تھے حاجرہ ساتھ ہی تھی۔

"بہت ہی برا ہوا تمہارے ساتھ بھی بھابی اور بچے کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"اب جب ہم کل یتیم خانے جاتے ہیں تو بھابی کی بہن کو بھی ساتھ لے لینا ہو سکتا ہے وہ بچے کو پہچان لیں۔"

"بچے کو تو میں بھی پہچان چکا ہوں بس کنفرم کرنا باقی ہے۔" حاجرہ جو اتنے عرصے سے بالکل خاموش تھیں دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قریب آ بیٹھی تھی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ ہم کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے آئے تھے لیکن بھائی صاحب کی کہانی سن کر ادھر چلے آئے کیوں نہ ہم اپنے فیضان کو ہی اڈاپٹ کر لیں۔" حاجرہ کی بات پر دونوں چونکے تھے۔

"نہیں میں اب اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔" حیات علی نے قطعیت سے کہا تھا۔

"آپ کو شاید برا لگے لیکن ایک بات کہوں گی اگر آپ بچے کو ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے بابا صاحب اور بیوی کے علاوہ کوئی بھی یہ حقیقت نہیں جانتا کہ آپ نے دوسری شادی بھی کر رکھی تھی اور آپ کا بیٹا بھی ہے بعد میں نجانے کیا حالات ہوں سارا اثر بچے پر پڑے گا۔ بچے کی شخصیت متاثر ہوگی اگر آپ بچے کو بہترین ماحول دینا چاہتے ہیں تو آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں ہم بالکل اسے اپنے بیٹے کی طرح پالیں گے۔" حاجرہ کے الفاظ پر سبحان بھی متفق ہو گیا تھا۔

"حاجرہ ٹھیک کہہ رہی ہے تم اپنا بیٹا ہمیں دے دو، رہے گا تو وہ تمہاری اولاد ہی نا۔ ہم صرف اسے پالیں گے، پڑھائیں گے بڑا کریں گے۔ ہم صرف اسے اڈاپٹ کریں گے اس سے کچھ نہیں چھپائیں گے، تم اچھی طرح سوچ لو فیصلہ مشکل ہوگا لیکن تمہارے لیے اس میں بہت سی آسانیاں ہوں گی۔" سبحان کے الفاظ پر حیات علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"ہم اس کو اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں گے تم اس کے فیوچر سے متعلق بالکل بے فکر ہو کر فیصلہ کر سکتے ہو۔" حیات علی کے سامنے سوچ کا ایک اور در وا ہوا تھا۔

اگلے دن وہ مہر النساء کو لے کر دوبارہ یتیم خانے گئے تھے، فیضی کو بلوا لیا گیا تھا۔ فیضی کو دیکھتے ہی مہر النساء ایک دم رو دی تھی۔

"یہ ہی ہمارا فیضان ہے ہمارے فیضان کے کندھے کے پچھلی طرف چاند گرہن کا سرخ نشان تھا۔ بھائی صاحب آپ دیکھیں اس کے جسم پر بھی ہوگا۔" مہر النساء کے الفاظ نے گویا حیات علی کو زندگی بخش دی تھی۔ مہر النساء نے خود ہی شرٹ اتار کر دیکھا تو ایک دم رو دی تھی۔ بالکل ویسا ہی نشان اس فیضی کے کندھے پر بھی تھا اب تو جیسے ہر بات کی تصدیق ہو چکی تھی حیات علی کو اپنا بیٹا مل گیا تھا۔

اب دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی تھی تاہم ان کے بہتر مستقبل کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ سوچنا تھا مہر النساء کو واپس اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ مہر النساء نے جاتے وقت ان سے ایک بات کہی تھی۔

"زیب النساء چاہتی تھی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کی شادی میری افشاں سے کرے گی، کہنے والی تو مر گئی لیکن بھائی صاحب زندگی نے وفا کی تو یہ میری زیبن کی امانت ہے آپ کے پاس میں ایک بار زیبن کی بات پوری کرنے ضرور آؤں گی اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو......" مہر النساء چلی گئی تھی لیکن ان کے لیے بہت ساری سوچوں کے در کھل گئے تھے وہ فیضان کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

اگلا پورا ہفتہ انہوں نے پانچ سالہ فیضان کے ساتھ گھوم کر گزارا تھا ہر وہ جگہ جہاں وہ زیبن کے ساتھ گئے تھے وہ فیضان کو لے کر

گھومے تھے اور ہر وہ مقام جہاں زبین ان کے ہم قدم تھی انہوں نے فیضان کو دکھایا تھا۔ اس کی ماں کی تصویریں دکھائی تھیں ایک تصویر تو ہر وقت ان کے بٹوے میں موجود رہتی تھی۔ وہ اس کو رشتوں سے آشنا کروا رہے تھے اس کے لیے دنیا جہاں کی چیزیں خرید رہے تھے کہ سبحان اور حاجرہ سوالی بن کر ایک بار پھر ان کے پاس آئے تھے۔

"ہم جانتے ہیں آپ کے لیے اپنے بیٹے کو خود سے دور کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہماری محرومی اور بچے کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں۔ آپ کے بیٹے کو آپ کا یہ خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا لیکن اگر وہ ہمارے ساتھ رہا تو ہم ضرور اسے کسی قابل بنا دیں گے۔" حاجرہ کہہ رہی تھی۔

حیات علی نے صحن میں اپنے کھلونوں سے کھیلتے فیضان کو دیکھا اور پھر سبحان اور حاجرہ کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے میں یہ جوا کھیلنے کو بھی تیار ہوں بس مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کو کبھی کوئی کمی کوئی تکلیف نہیں ہونے دو گے۔" کہتے کہتے ان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ سبحان اور حاجرہ بھی نم آنکھیں لیے اسے امید دلاتے نئے وعدے کرتے ہمیشہ فیضان کا خیال رکھنے کی باتیں کرنے لگے تھے۔



شہوار گھر چلی آئی تھی اناا سپتال آئی تو ابھی بھی وہی ماحول تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں چہرے کے نازک حصوں پر سرخی غالب تھی۔ وہ وقار صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے وہ بالکل ساکت سی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر وقار صاحب کئی بار چونکے تھے تاہم بولے کچھ نہ تھے۔

وہ صبوحی بیگم سے ملی وہ اب بہتر تھیں انہوں نے اس سے بات چیت بھی کی تھی۔ ان کے آنے کے بعد روشی اور ضیاء ماموں کو پاپا نے زبردستی گھر بھجوا دیا تھا۔ مصطفیٰ ابھی بھی اسپتال میں تھا احسن تو خود پریشان اور بکھرا ہوا تھا اس لیے مصطفیٰ کے وجود سے بہت ڈھارس مل رہی تھی سب کو۔

"بیٹا! تم بھی تھک گئے ہو گے گھر جا کر آرام کرو۔ ہم ادھر ہی ہیں دیکھ لیتے ہیں۔" مصطفیٰ ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر لوٹا تو وقار صاحب نے کہا۔

"انکل ٹینشن مت لیں میں ادھر ہی ہوں جب تک ولید کو ہوش نہیں آجاتا میں ادھر سے نہیں ٹلنے والا۔" ان کا کندھا سہلا کر وہ احسن کی طرف بڑھ گیا تھا جو نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا۔ انا ان کے قریب آرکی تھی۔

"تم باہر کیوں آگئیں ماما ٹھیک ہیں نا؟" احسن نے کھڑے ہو کر پریشان سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"وہ سو رہی ہیں۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً کمرے کی طرف چلا گیا تھا مصطفیٰ نے انا کو دیکھا۔ عجیب سی غم زدہ اور نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے بس سر ہلایا تھا جبکہ آنکھوں میں ایک دم آنسوؤں کا سیلاب آٹھہرا تھا۔

"میں ولی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

"او کے آئیں۔" مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ اسے آئی سی یو میں جاتے دیکھ کر وقار صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سرد سا ماحول تھا وہاں ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی انا کا دل لرزنے لگا تھا۔

وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیڈ تک آئی ولید ابھی تک اسی کیفیت میں تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر نرس کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے خود بھی باہر نکل گیا تھا۔

انا ان دونوں کے جانے کے بعد ولید کے ڈرپ لگے ہاتھ کو احتیاط سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جھکی تھی پاس پڑی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے اندر پشیمانی اور پچھتاوؤں کے ایسے ناگ تھے جو ہر لمحہ اسے ڈس رہے تھے جن کے حصار میں جکڑے وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

"ایم سوری ولی۔" وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی۔ ولید کے ہاتھ کو چہرے سے لگاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے ہمیشہ بدگمانی کا اظہار کیا اپنے خود ساختہ واہموں اور بدگمانیوں میں جکڑی آپ کی محبت اور توجہ کو شک کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ ہر لحہ آپ کو تنگ کیا میں بہت بری ہوں لیکن پلیز مجھے ایسی سزا مت دیں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میری سانسیں بھی رک جائیں گے آپ پلیز واپس آجائیں میں ہر سزا جھیلنے کو تیار ہوں پلیز ایسا مت کریں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں نے کئی بار ولید کے سر د ہاتھ کو چھوا تھا اس کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا۔

وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی اس کے دل نے اسے بالکل مات دے دی تھی وہ جو کچھ کر رہی تھی بالکل غیر ارادی ہو رہا تھا۔ اسے نہ اپنی حالت کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی۔

"کاشفہ کہتی تھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔ کاشفہ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں خود کو آپ سے دور کر لوں۔ وہ دھمکیاں دیتی تھی کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ میں اگر ایسا نہ کرتی تو وہ آپ کو تکلیف دیتی نقصان پہنچاتی میں بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔" اس کی سرگوشیاں اور سسکیاں عجیب دل دکھانے والی تھیں وہ سسکتی رہی تھی۔

ولید سے اپنے تمام کردہ اور نا کردہ گناہوں کی معافی طلب کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ اندر داخل ہوا تو وہ ولید کے ہاتھ کو جکڑے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ مصطفیٰ قریب آیا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سر جھکائے سسک رہی تھی۔

"انا......" مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

"چلیں اب۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھ چھوڑ کر چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتی کھڑے ہو گئی تھی نرس بھی کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ عجیب ترحم آمیز نگاہوں سے انا کو دیکھ رہی تھی وہ مصطفیٰ کے ساتھ باہر نکلی تو وقار صاحب نے پھر دیکھا تھا نڈھال وجود سرخ شدت گریہ کا ترجمان چہرہ۔

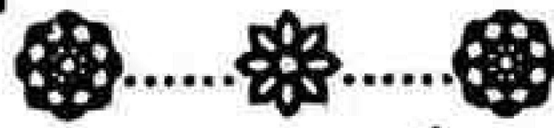
"کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں ہارنے والوں جیسے؟" اک سوال وقار صاحب کے سینے کی دیواروں میں شدت سے پھڑ پھڑا لیا تھا۔ انہوں نے نگاہیں پھیر لی تھیں آنکھوں میں شدت غم سے لہو ٹپکنے کو تھا۔

"ہم نیچے جا رہے ہیں ذرا آپ جائیں تو ولید کے پاس چکر لگا لیں۔" مصطفیٰ کی بدولت باقی افراد کو بھی آئی سی یو میں جانے کی اجازت مل چکی تھی۔ مصطفیٰ ان کو کہہ کر انا کو لیے سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے نیچے آ کر ویٹنگ روم میں انا کو بٹھا کر خود ایک ڈسپوزل گلاس میں پانی ڈال کر پلایا تھا۔

"ایک بات بتائیں ابا؟" دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتی انا نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

"جب اس قدر محبت تھی تو یہ فاصلے کیسے درمیان میں حائل ہو گئے تھے؟" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

"حماد آپ دونوں کے درمیان میں کیسے آ گیا تھا؟" وہ مزید پوچھ رہا تھا اور انا کو لگا جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے والا ہے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک دم شدت سے رو دی اور مصطفیٰ نے بہت ترحم آمیز نگاہوں سے اس کو یوں اس طرح بلکتے دیکھا۔



سبحان احمد نے قانونی کارروائی کے بعد فیضان کو اڈاپٹ کر لیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتے تھے۔ اس طرح فیضان حیات علی سے سکندر سبحان احمد نام کے کاغذات تیار ہو گئے تھے۔ سبحان احمد کے خاندان والوں نے کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے پر خوب واویلا مچایا تھا لیکن دونوں میاں بیوی نے کوئی کان نہ دھرے تھے۔ اس طرح فیضان حیات علی سکندر سبحان احمد بن کر سبحان اور حاجرہ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوا تو حیات علی بھی واپس کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

سبحان پر انہیں بہت اعتبار تھا وہ سکندر کے مستقبل سے مکمل طور پر مطمئن ہو گئے تھے انہیں یقین تھا کہ اب ان کے بیٹے کو زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملے گا۔ انہوں نے جانے سے پہلے مہر النساء کی طرف چکر لگایا تھا مہر النساء فیضان کے سبحان کے ساتھ چلے جانے کا سن کر بہت افسردہ ہوئی تھی تاہم اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

مہر النساء نے سبحان کے گھر کا ایڈریس ضرور لے لیا تھا کبھی وہ لوگ پاکستان لوٹیں گے تو ان سے ملنے جائے گی۔ حیات علی پچھلے چار سالوں سے بابا صاحب سے ناراض تھے پاکستان لوٹنے پر بھی وہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے بلکہ حویلی فون کر کے گاڑی اور ڈرائیور منگوا لیا تھا۔

وہ مہر النساء سے ملنے کے بعد اپنا سامان لے کر ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو بھی گاؤں جا کر باپ سے ملنے کا نہ سوچا تھا۔ وہ بابا

صاحب کو بیٹے کی جدائی کی سزا دینا چاہتے تھی بالکل ویسے ہی جیسے وہ پچھلے پانچ سالوں سے بیٹے کی جدائی کی آگ میں جلتے رہے تھے۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی وقت کا کام تھا گزرنا اسے بھلا کون روک سکتا تھا۔ بہت تیز رفتاری سے گزرا تھا۔ کم عمر بچے اب جوان ہو چکے تھے حیات علی مزید پانچ سال کینیڈا رہے اور پھر بابا صاحب کی شدید بیماری کی اطلاع پر انہیں واپس آنا ہی پڑا۔ بابا صاحب از حد کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔

حیات علی دل سے تمام کدورتیں اور بدگمانیاں مٹا کر ان کی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بابا صاحب کی بیماری بڑھتی رہی تھی اور پھر ایک شب زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی تو حیات علی پر اتنی بڑی جاگیر زمینوں اور حویلی کی ذمہ داریاں آ پڑی تھیں۔

نواز تعلیم کے سلسلے میں ابھی بھی کینیڈا میں تھا باقی حسن علی شاہ زیب اور دونوں بچوں سمیت وہ لوگ دوبارہ مستقل پاکستان حویلی میں شفٹ ہو چکے تھے۔ حیات علی مہر النساء سے ملنے گئے تھے لیکن وہاں سے ملنے والی خبر نے ایک دم دکھی کر دیا تھا۔

مہر النساء کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اس کا شوہر باہر کسی ملک میں شفٹ ہو چکا تھا اس کی بیٹی اپنی پھوپی صفیہ کے پاس تھی۔ مہر النساء نے ان سے ایک بار ایک بات کہی تھی وہ بات ابھی بھی ان کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔

سکندر سے متعلق سبحان ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ سکندر ایک بہت ہی ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا' سبحان اور حاجرہ نے اس سے اس کے والدین سے متعلق کچھ بھی نہیں چھپایا تھا اس کے باوجود وہ سبحان اور حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت سے غموں اور بہت سی خوشیوں کے درمیان زندگی گزرنے لگی تھی۔ کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے وقت نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا نواز کی تعلیم مکمل ہو گئی تو اس کی پسند پر حیات علی نے اس کی شادی وہی کینیڈا میں ہی ماموں کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس طرح کچھ سال بعد حسن کے لیے بھی زبیدہ بیگم بھتیجی لائی تھی زینت اور زہرہ بھی رشتہ داروں میں بیاہی گئیں تو شاہ زیب کے لیے بھی حیات علی نے زبیدہ کے سب سے چھوٹے بھائی کی بیٹی مہر النساء کو پسند کیا تھا۔

انہیں مہر النساء میں زیب النساء کی سی عادات دکھائی دیتی تھیں' کچھ اور وقت سرکا تو سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں سیٹل ہونے لگے تھے۔ نواز کینیڈا میں ہی سیٹل ہو گیا تھا حسن علی کراچی جا بسا تھا۔ شاہ زیب نے پولیس فورس جوائن کر لی تھی' سبھی خوش تھے ایسے میں حیات علی کے دل میں گزرے لمحوں کی بے رنگی کا ملال شدت سے جاگزیں ہونے لگتا تھا۔

ان کا بیٹا ان سے دور غیر لوگوں میں پل رہا تھا' ان کے پاس کیا نہیں تھا دولت' جائیداد' جاگیر اور معاشرے میں اونچا مقام لیکن وہ کتنے بے بس تھے کہ اس اولاد کو اس کا جائز مقام نہ دلا سکے تھے۔ وہ معاشرے اور لوگوں کے ڈر سے اپنی اولاد کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سبحان کی وکالت امریکہ میں خوب چمکی ہوئی تھی' باہر اور پاکستان دونوں معاملات پر اس نے اچھی پراپرٹی بنا رکھی تھی۔ کچھ پراپرٹی سکندر کے نام بھی کر رکھی تھی۔

سکندر احمد اب بڑا ہو چکا تھا دو سال بعد اس کی تعلیم مکمل ہو جاتی تھی' سبحان' اور حاجرہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ وہ مردانہ وجاہت اور خوب صورتی کا شاہکار تھا۔ ماں اور باپ دونوں کا حسن لے کر پیدا ہونے والا یہ سکندر احمد اپنی ذات میں بے مثل تھا۔ حاجرہ اور سبحان امریکہ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے تھے۔ مزید دو سال پر لگا کر گزر گئے تھے۔ سکندر کی ایجوکیشن مکمل ہوئی تو سبحان اور حاجرہ کا پاکستان چکر لگانے کا پروگرام بنا تھا۔ سکندر بھی ان کے ساتھ پاکستان آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ کچھ ماہ پاکستان میں رکنے اور پھر واپس پلٹ جانے کا تھا۔ سکندر نے سبحان احمد اور حاجرہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہلی بار مکمل ہوش و حواس میں قدم رکھا تھا۔ وہ بہت جذباتی تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد اس کی زندگی میں بالکل مختلف اور ایک نیا موڑ شروع ہوا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

